حصّہ اول اور حصّہ دوم
نصاب حرب
حکمت اللہ لودھی
نصرت محسود
عمیر صدیقی
اعداد
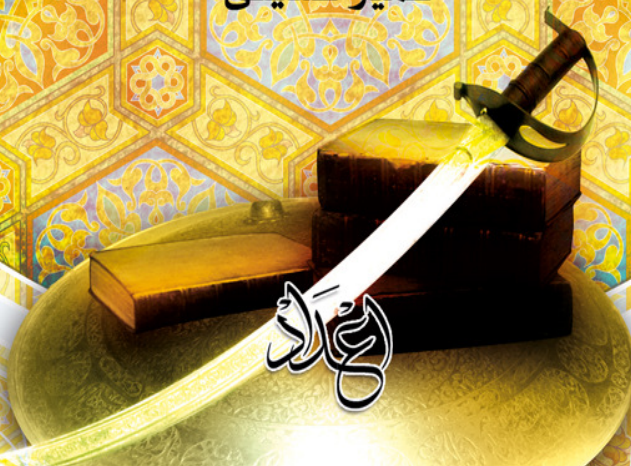
نصابِ حرب

(حصّہ اول، حصّہ دوم)

مجموعہء مصنفین:

حکمت اللہ لودھی

نصرت محسود

عمیر صدیقی

طبعِ اوّل

شوال، ۱۴۳۳ھ (ستمبر، ۲۰۱۲ء)

ادارہء اعداد

a_dad_at@yahoo.com

تقریظ

از مولانا شکیل محمد حقانی صاحب دامت برکاتھم العالیۃ
مسؤول عالی شوریٰ، تحریکِ طالبان پاکستان

جناب حکمت اللہ لودھی صاحب اور ان کے ساتھی مصنفین کی تصنیف ''نصابِ حرب'' پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ فاضل مصنفین نے عصرِ حاضر میں مجاہدین کی ضروریات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ کتاب تصنیف فرمائی۔ کتاب انتہائی اہم عنوانات پر مشتمل ہے۔ کتاب میں جہاں جنگ سے متعلق اہم معلومات جمع کی گئی ہیں، وہیں ایک مجاہد کے لیے ہر موقع پر مناسب ہدایات بھی موجود ہیں کہ جنگ کے دوران ہر لمحہ بدلتے حالات پر کس طرح قابو پایا جا سکتا ہے۔ ہر مجاہد کو کم از کم ایک مرتبہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے اور خصوصاً وہ حضرات جو مجاہدین کی تربیت اور تدریب کے شعبے سے وابستہ ہیں، وہ اگر اپنے شاگردوں کو اس کتاب کا خلاصہ ہی سمجھا دیں تو اس سے ان کی عسکری معلومات اور صلاحیتوں میں غیر معمولی ترقی ہو سکتی ہے۔

بندہ شکیل محمد حقانی

تقریظ

از مفتی ولی الرحمان محسود صاحب دامت برکاتھم العالیہ
امیر تحریکِ طالبان پاکستان (حلقہء محسود)

باسمہ تعالیٰ

گزشتہ چند صدیوں سے امت مسلمہ اجتماعی طور پہ ترکِ جہاد کے باعث غلامی کی زنجیروں میں جکڑی جارہی تھی۔ ہر آنے والا کل گزشتہ روز کی نسبت مزید تاریکی لے کر ہی طلوع ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ مسلمان دنیا کے کونے کونے میں مرغیوں کی طرح ذبح ہونے لگے۔ نوبت بایں جا رسید، کہ وہ قوم جو دنیا کی معزز ترین اور حاکم قوم تھی وہ اس دھرتی کی مظلوم ترین قوم بن کر ریوڑ کی مانند ایک کے بعد ایک کے ذبح کیے جانے کا انتظار کرنے لگی۔ یقیناً ترکِ جہاد ہی اس ذلت و پسپائی کا واحد موجب تھا۔ ایسے میں بے سروسامان، مروجہ منافقت کی سیاست و مصلحتوں سے بے بہرہ، مگر قوتِ ایمانی سے سرشار، دجالی ٹیکنالوجی و آلات سے بے خوف، عزم وہمت کے پیکر کچھ نوجوان اس دینِ خداوندی کے لیے "نحن أنصار الله" کا مصداق بن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور خود کو سپر طاقتیں کہلانے والے فرونوں کو یکے بعد دیگرے للکارا اور قربانیوں کی بدولت ان فرعونوں کے قصور و محلات کی در و دیوار میں دڑاڑیں ڈال دیں اور روس کے بعد امریکہ و نیٹو کو بھی شکستِ فاش سے دوچار کیا۔ یوں یہ نوجوان رہتی دنیا تک کے لیے "کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة بإذن الله" کے مصداق بن گئے۔

زیرِ نظر کتاب ''نصابِ حرب'' یقیناً اس کٹھن سفر کے راہرو حضرات کے لیے قیمتی زادِ راہ ہے اور اپنے موضوع کے لحاظ سے بالکل منفرد اور نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ مؤلف حکمت اللہ لودھی صاحب دورِ حاضر کے مسلمانوں کو علامہ اقبالؒ کے اس شعر کے آئینے میں دیکھنا چاہتے ہیں:

تیرے علم و محبت کی نہیں انتہا کوئی
نہیں تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی

آخر میں بارگاہِ ایزدی میں دعا ہے کہ مؤلفین کی اس کاوش کو قبولیت بخشے۔آمین !

احقرالوریٰ

مولوی ولی الرحمان محسود

۲۰ رمضان المبارک، ۱۴۳۳ھ

تقریظ

از مفتی خالد حقانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ
سابقہ مسؤول اجرائی شوریٰ، تحریکِ طالبان پاکستان

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين، أما بعد:

آج جب کہ اسلام غربت اور اجنبیت کے دور میں داخل ہو چکا ہے، جاہلیت اولی کی طرح لوگ پھر سے اسلام کے مفہوم اور اس کے ارکان سے ناآشنا ہو چکے ہیں۔ ہر طرف سے فتنوں نے اہل اسلام کو گھیرے میں لے لیا ہے، لیکن پھر بھی لسانِ نبوت کی پیشن گوئی کے مطابق کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ کو اسلام پر قربان کرتے ہیں اور جن کو محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ”فطوبی للغرباء“ جیسے الفاظ سے بشارت دی ہے اور جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ”لاتزال طائفة من أمتی یقاتلون علی الحق ظاهرين على من ناواهم حتى يقاتل آخرهم المسيح الدجال“۔ ان دو حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں کامیابی کا راستہ کیا ہے؟ اور نجات پانے والے لوگ کون ہوں گے؟ وہ لوگ معاشرے میں ناآشنا ہوں گے، وہ جانے پہچانے لوگ نہیں ہوں گے۔ اور ان کی دوسری علامت یہ ہو گی کہ وہ لوگ قتال فی سبیل اللہ میں مصروف ہوں گے۔ پھر اس دوسری حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مطلق فتح اور غلبے کی خوشخبری دی ہے کہ وہ اپنے دشمن پر غالب ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس امت کی کامیابی کا راز جہاد فی سبیل اللہ اور مسلح قتال میں مضمر ہے اور جب امت مسلمہ جہاد کو چھوڑے گا تو ناکامی، ذلت اور رسوائی ان کے سر پر مسلط ہو گی۔ اس لئے محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: إذا تبايعتم بالعينة وأخذتم أذناب البقر

ورضيتم بالزرع وتركتم الجهاد سلط الله عليكم ذلا لا ينزعه حتى ترجعوا إلى دينكم۔

آج امت مسلمہ کی رسوائی وذلت اور کفار کے تسلط کا سبب ترک جہاد ہے۔اسلحہ سے ناآشنائی، فن ضرب و حرب سے بے خبری اچھائی اور کمال سمجھا جاتا ہے، مجد اور بزرگی لوگ اسی میں سمجھتے ہیں۔ بارہا میں نے خود سنا ہے کہ کسی کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا فلاں شخص کلاشن کوف چلا سکتا ہے؟ تو جواب ملا کہ وہ تو محترم آدمی ہے، اسے کلاشن کوف سے کیا لینا دینا ہے؟ سبحان اللہ! آج مسلح ہونا ہمیں عیب لگتا ہے حالانکہ خیر القرون میں کوئی بھی شخص غیر مسلح نہیں گزرا ہے۔اس پر فتن دور میں اپنے آپ اور پوری امت کو ان تمام فتنوں سے بچانے کے لئے اور اس ذلت اور رسوائی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے امت پر فرض ہے کہ وہ اسلحہ اٹھائے اور فن حرب وضرب سیکھے۔

بھائی حکمت اللہ لودھی اور ان کے ساتھیوں کی تصنیف "نصاب حرب" اس فن میں ایک نہایت اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ میں نے کتاب کو دیکھا اور اس کے چند صفحات پڑھے، یقینا خوشی ہوئی اور اس فن میں لکھی گئی کتابوں میں اس کتاب کو یکتا موتی کی طرح پایا۔ تمام مسلمانوں اور خصوصا مجاہدین کو چاہیے کہ اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں اور مجاہدین اس کو باقاعدہ تدریسی نصاب میں شامل کریں۔اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کو مفید عام بنائیں۔آمین یارب العالمین۔

خالد حقانی

۱۷رجب المرجب، ۱۴۳۳ہجری

تقریظ

از جناب اعظم طارق محسود صاحب حفظہ اللہ
سابقہ مرکزی ترجمان، تحریکِ طالبان پاکستان

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، امابعد:

زیرِ نظر کتاب ''نصابِ حرب'' محترم حکمت اللہ لودھی صاحب اور ان کے ساتھیوں کی مساعیٔ جمیلہ کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرماویں، آمین۔

کتاب کو پڑھ کر یقیناً ایسا محسوس ہوا کہ دورِ جدید میں روایتی ہتھیار نہ رکھنے والے حریت پسندوں کے لیے فنِ حرب وضرب کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ کتاب میں جہادِ مقدس کے حوالے سے تحریکاتِ اسلامی کی نظریاتی وانقلابی جدوجہد کے لیے اساسی تربیت وترتیب کے راز ہیں، تنظیمی و عسکری تصورات و تفکرات کے نئے زاویے ہیں، حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق کم خرچ بالا نشیں کے طور طریقے ہیں، اپنی پہچان واعتماد کے محفوظ ترین سلیقے ہیں، برومندی وآبرومندی کے شاندار وظیفے ہیں، دشمن کو خوب زیر کرنے کی پائیدار تدابیر ووسیلے ہیں، لیلیٰءِ مقصود کے درو بام پر پہنچنے کے لیے ترتیب شدہ زینے ہیں۔

مختصراً یہ کہ محترم حکمت اللہ لودھی صاحب کے سادہ تحریری پیکار میں تقدیرِ امم کے بگاڑ کو سنوارنے کے لیے شمشیر وسناں اول، طاؤس ورباب آخر کے ترانے ہیں۔ لہٰذا انقلابی جدوجہد پر یقین رکھنے والے تحریکاتِ اسلامی کے امراء حضرات کی خدمتِ اقدس میں عرض ہے کہ طاغوت کے خلاف مقابلے کی تیاری کے لیے اس کتاب کو اپنے کارکنان کے تربیتی پروگراموں میں شامل کریں، ان شاءاللہ باعثِ فائدہ ہوگا۔

بندہ اعظم طارق محسود

تقریظ

از استاد احمد فاروق حفظہ اللہ

مسؤولِ دعوت وابلاغ برائے پاکستان (تنظیم قاعدۃ الجہاد)

اللہ رب العزت نے ہمیں اس نبی ﷺ کا امتی بنایا ہے جو قیامت سے قبل تلوار کے ساتھ مبعوث کیے گئے، جنہیں نبیء ملحمہ یعنی خون ریز جنگوں والے نبی کا لقب عطا کیا گیا، جو خود میادینِ جہاد میں اترے، رب کی رضا اور دین کی سربلندی و حفاظت کے لیے اپنا مبارک لہو پیش کیا اور امت کو اپنے قول و عمل سے یہ تعلیم دے گئے کہ جب تک یہ امت جہاد کو تھامے رکھے گی، سربلند و سرفراز رہے گی۔ محمدِ عربی ﷺ کے اسی مبارک اسوے کا اثر تھا کہ ہم صدیوں تک علم و تہذیب کے میدانوں کے ساتھ ساتھ شمشیر و سناں کے میدان میں بھی سب امتوں سے آگے رہے اور قرآنی دلائل کی قوت اور لوہے کی کاری کاٹ کے ذریعے، اللہ کی تائید و نصرت سے دینِ اسلام کو دنیا میں صدیوں غالب و حاکم رکھا۔ لیکن جوں جوں ہم میں دنیا پرستی، عیش کوشی اور تساہل پسندی کے امراض نے جگہ بنائی، ہم جہادی فضاؤں سے دور ہوتے گئے، میادینِ جنگ سے پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ وہ فنونِ حرب جو کل تک ہماری گھٹی میں پڑے تھے، ہماری رگ رگ میں دوڑتے تھے، ہم میں ناپید ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ دین سے دوری اور ترکِ جہاد کے سبب ذلت و خواری ہمارا مقدر بن گئی اور دنیا کی رذیل ترین مخلوق ہماری گردنوں پر مسلط کر دی گئی تاکہ ہم ہوش کے ناخن لیں اور اپنے دین کی طرف واپس لوٹ آئیں۔ آج جب جہادی بیداری رفتہ رفتہ پوری امت کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہے اور دین سے محبت کرنے والے نوجوانوں کی ایک پاکیزہ نسل جان ہتھیلی پر رکھے میادینِ جہاد کا رخ کر رہی ہے، ایسے میں اس امر کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ امت میں جنگی علوم و فنون کے احیاء کی سنجیدہ سعی کی جائے تاکہ یہ امت پھر سے اپنا رشتہ عسکریت سے جوڑ سکے اور اپنی آئندہ نسلوں کے ذہنوں میں ان علوم و فنون کو بطریقِ احسن منتقل کر سکے۔

زیرِ نظر کتاب مجاہدین کی عسکری تربیت کے لیے مرتب کردہ 'نصابِ حرب' کے پہلے دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ بندۂ فقیر نے ان دونوں اجزاء کا بغور مطالعہ کیا ہے اور انہیں بہت نافع پایا ہے۔ بالخصوص مجاہدین کے ذمہ داران اور صاحبِ علم و فکر حضرات کو تو اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر ضرور اس کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا چاہیے اور امریکہ اور اس کے اتحادیوں اور آلہء کاروں کے خلاف اپنی جنگ کو مزید بہتر طور پہ منظم کرنے میں اسے کتاب سے مدد لینی چاہیے۔ اگرچہ یہ کتاب اردو زبان میں لکھی گئی ہے لیکن اس کا فائدہ عام ہے اور ترجمے کی صلاحیت رکھنے والے بھائیوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اسے عربی اور انگریزی زبان کا قالب بھی پہنائیں تاکہ دیگر جہادی محاذوں پر موجود ہمارے مجاہد ساتھی بھی اس کتاب سے استفادہ کر سکیں۔ نیز اس کتاب کا فائدہ محض مجاہدین تک ہی محدود نہیں بلکہ مسلم معاشرے کے وہ دیگر طبقات جو امت کی رفعت و سرفرازی کے خواب دیکھتے اور دین کا غم کھاتے ہیں، ان کو بھی اس کتاب میں اپنے لیے نفع کی چیزیں ملیں گی۔ کم سے کم بھی یہ کتاب ان کو یہ ضرور باور کرا پائے گی کہ امت کی گردنوں پر مسلط عالمی صلیبی صہیونی اتحاد اور اس کے آلہء کاروں سے نجات پانے کے لیے محض پرامن وسائل کے استعمال پر اکتفا کرنا جہاں شرعاً درست نہیں، وہیں زمینی حقائق اور عقلِ سلیم بھی اس رویے کی نفی کرتی ہے۔ جو حق بزورِ تلوار چھینا گیا تھا وہ اللہ کی تائید ساتھ لیے، ایمان کو سینوں سے لگائے، بزورِ تلوار ہی واپس چھینا جائے گا۔

زیرِ نظر کتاب کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس نے ایک بند اور گمشدہ باب کو ایک بار پھر کھولا ہے۔ بالخصوص اردو زبان میں تو عسکری علوم و فنون کے موضوع پر سنجیدہ کتب تقریباً ناپید ہیں۔ اب جبکہ اس کتاب نے یہ جمود توڑ دیا ہے تو امت کے دیگر صاحبِ صلاحیت افراد کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس جہد کو مزید آگے لے کر بڑھیں۔ بالخصوص علمائے کرام اور دین کا علم رکھنے والے عسکری متخصصین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ گزشتہ دو صدیوں کی غلامی کے دوران جو جدید عسکری نظریات دیگر اقوام نے پیش کیے ہیں وہ ان کا مطالعہ کریں، پھر سلفِ صالحین کی ان کتب کی طرف لوٹیں جن میں جنگی علوم و فنون کے اصول و مباحث شرعی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں ...... اور جدید عسکری علوم کو اسلام کی اصولی تعلیمات کی روشنی میں پرکھ کر، اس میں سے صحیح و سقیم

کو علیحدہ کریں۔ یوں عسکری علوم وفنون کی ترتیب وتالیف کا جو عمل ہمارے تنزل کے ادوار میں رکا تھا اس ٹوٹی ہوئی کڑی کو پھر سے جوڑا جائے اور خالص اسلامی بنیادوں پر جنگی علوم وفنون کو از سرِ نو ترتیب دیا جائے۔ یقیناً یہ ایک طویل اور محنت طلب جہد ہے، لیکن صدیوں کی غلامی کے اثرات مٹا کر امت کو پھر سے اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کا عمل بہر صورت طویل اور صبر آزما ہی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مصنفین کی اس جہد کو قبول فرمائیں اور اسے امتِ مسلمہ کے لیے باعثِ نفع و باعثِ قوت بنائیں، آمین!

وصلی الله علی حبیبنا النبي الأمي وعلی آله وصحبه وسلم۔

الفقير إلى الله

أحمد فاروق عفى الله عنه

فہرست

نصابِ حرب ____ 2

مقدمہ کتاب از مصنفِ کتاب ____ 11

فنِ حرب کی تعریف ____ 12

فنِ حرب کی ضرورت اور اہمیت ____ 13

فنِ حرب اور منصوبہ بندی ____ 13

فنِ حرب اور فیصلہ سازی ____ 15

فنِ حرب اور تیاری ____ 15

فنِ حرب اور کام کا تعین ____ 16

حصہ اوّل تفہیمِ حرب ____ 17

باب اول (ا) حرب کا تعارف ____ 18

حرب کا تصور ____ 18

حرب کی تعریف ____ 19

اصطلاحاتِ فنِ حرب ____ 20

جنگ کے فریق ____ 20

جنگ میں دوستی اور دشمنی کا معیار ____ 20
مقاصدِ جنگ ____ 21
مقاصدِ عظمیٰ ____ 22
تنازعہ ____ 23
تنازعے کی اقسام ____ 23
تنازعہ کی وجوہاتی تقسیم ____ 23
نظریاتی تنازعات ____ 24
ذہنی یا فکری ____ 25
شخصی رویہ ____ 26
عملی تنازعات ____ 26
معاشرتی تنازعات ____ 27
معاشی تنازعات ____ 27
جغرافیائی تنازعات ____ 28
حصول طاقت ____ 29
دفاعی یا عسکری ____ 29
ضروری وضاحت: ____ 29
تنازعہ کی گروہی تقسیم ____ 30
انفرادی تنازعات ____ 30

قبائلی تنازعات ____ 30

قومی (مذہبی) تنازعات ____ 31

ریاستی تنازعات ____ 31

تنازعے کا حل ____ 32

وضاحت: ____ 33

بابِ ثانی (۲) جہاتِ حرب ____ 35

تعارف ____ 35

جنگ کا اصولی (اخلاقی) پہلو ____ 36

تشکیلِ عسکری قوت کا جواز (نظریہ ءجنگ) ____ 36

جنگ کا جواز (جائز اور ناجائز جنگ) ____ 37

ایک اہم نکتہ ____ 39

جنگ کرنے کا حوصلہ (مورال) ____ 39

حوصلے کا اجتماعی پہلو ____ 40

حوصلے کا انفرادی پہلو ____ 40

جنگ کے آداب کا پہلو (قانونی پہلو) ____ 41

جنگ کا نفسیاتی پہلو ____ 42

جنگ میں نفسیاتی اثرات پیدا کرنے والے عوامل ____ 43

نفسیاتی عوامل کے جنگ کرنے کے حوصلے پر اثرات ____ 43
جنگ کے نفسیاتی پہلو کا علاج ____ 44
قیادت کی توجہ ____ 45
تزکیہء نفس ____ 45
شرعی احکامات کا علم ____ 46
عسکری حالات کا علم ____ 46
مضبوط تربیتی نظام ____ 46
جنگ کا معاشی پہلو ____ 47
جنگ کا مادی پہلو ____ 47
جنگ اور موسم ____ 48
میدان جنگ کا جغرافیہ ____ 49
جنگ اور بیماری ____ 50
جنگ اور مسلح دشمن ____ 50
جنگ میں جنگ کی جگہ کی اہمیت ____ 50
جنگ میں وقت کی اہمیت ____ 51
جنگ کے عمومی حالات یا ماحول ____ 51
بابِ ثالث (۳) آلاتِ حرب ____ 52
تعارف ____ 52

آلات حرب اور مقصد جنگ ______ 55
آلاتِ حرب اور طریقہ ءجنگ ______ 55
آلاتِ حرب اور رعب کی جنگ ______ 56
آلاتِ حرب اور پیش بندی کی جنگ ______ 56
آلاتِ حرب اور برابری کی جنگ ______ 57
آلاتِ حرب اور میدان جنگ ______ 57
آلات حرب اور دعوتی میدان ______ 57
آلاتِ حرب اور سیاسی میدان ______ 58
آلاتِ حرب اور معاشی میدان ______ 59
آلاتِ حرب اور عسکری میدان ______ 60
آلاتِ حرب اور جنگ کی سرگرمیاں ______ 60
بابِ رابع (۴) اصولِ حرب ______ 62
تعارف ______ 62
مقصدِ جنگ کا تعین اور اس پر دوام ______ 63
مقاصد کے حصول تک ارادۂ جنگ پر استقامت ______ 64
متحرک ہونے کی صلاحیت ______ 64
اصولی حرکت ______ 65
عملی حرکت ______ 65

انجن کے بغیر حرکت ____ 65

انجن کے ساتھ حرکت ____ 66

زرہ بکتر اور بکتر بند میں حرکت ____ 66

اقدامی قدم اٹھانے کی صلاحیت ____ 66

ناگہانی حملے کی صلاحیت ____ 67

ناگہانی حملے کی مختلف سطحیں ____ 68

امنیت ____ 68

عسکری قوت کا اجتماع [مرکوز استعمال] ____ 68

عسکری جدوجہد میں اقتصاد اور اعتدال ____ 69

لچک ____ 69

باہمی تعاون ____ 69

جنگ کی ادارتِ عمومی ____ 70

باب خامس (۵) اقسام حرب ____ 71

تعارف ____ 71

اقسام جنگ باعتبار تنازعہ ____ 71

اقسام جنگ باعتبار فریق ____ 72

اقسام جنگ باعتبار مادی پہلو ____ 72

اقسام جنگ باعتبار طریقہء جنگ (تنظیمِ حرب) ____ 72

باب سادس (٦) اختتامِ حرب ______ 74

فتح ______ 76

شکست ______ 77

برابری ______ 77

پسپائی ______ 78

بے نتیجہ جنگ ______ 78

ایک جنگ کے بعد دوسری جنگ ______ 79

معاہدہ ______ 79

حصہ دوم: تنظیمِ حرب ______ 81

باب اول (١) تعارفِ تنظیمِ حرب ______ 82

تعارف ______ 82

باب ثانی (٢) تعارفِ عسکری قوت ______ 84

تعارف ______ 84

عسکری قوت کی بنیادی صلاحیت ______ 84

صلاحیتِ ضرب ______ 85

صلاحیتِ حرکت ______ 86

صلاحیتِ دفاع ______ 87

عسکری قوت کا وزن 88

عسکری قوت کے وزن، حجم اور کثافت میں تعلق 89

عسکری قوت کی اقسام 90

قبائلی فوج 90

شاہی فوج 91

امت کی فوج 91

قومی فوج 92

عالمی فوج 92

گوریلا فوج 93

باب ثالث (۳) تشکیلِ عسکری قوت 95

تعارف 95

تشکیلِ عسکری قوت کے مراحل 95

تشکیلِ قوت اور معاشرہ 96

تشکیلِ قوت اور وسائل 96

تشکیل قوت اور قیادت 97

عسکری ترتیبیں 98

عسکری قوت میدان جنگ میں کردار کے اعتبار سے 98

جنگ کرنے والی عسکری قوت 99

دوران جنگ مدد کرنے والی عسکری قوت ______ 100

عسکری قوت اپنی تعداد کے اعتبار سے ______ 102

عسکری قوت افرادی قوت کی حیثیت کے اعتبار سے ______ 104

بھرتی والے افراد ______ 105

افسر یا ذمہ دار افراد ______ 106

عسکری ترتیب نقشے پر (تعداد اور کردار کے اعتبار سے) ______ 108

بابِ رابع (۴) تطبیقِ عسکری قوت ______ 111

تعارف ______ 111

تطبیقِ قوت کے مضامین ______ 112

جنگ کا ارادہ اور صورتحال کا تجزیہ ______ 113

حالات کا تجزیہ ______ 113

دشمن کا تجزیہ ______ 114

ذاتی تجزیہ ______ 115

میدانِ جنگ کا تعین ______ 115

اہداف کا تعین ______ 116

مقاصد اور اہداف کا شجرہ یا نقشہ ______ 117

طریقہء جنگ کا تعین ______ 119

دفاعی طریقہء جنگ ______ 120

اقدامی طریقہء جنگ ____ 120

تباہی کی جنگ ____ 121

مکمل تباہی ____ 121

تباہی ____ 121

برابری ____ 122

چالبازی کی جنگ ____ 122

رعب ____ 123

پہل یا پیش بندی ____ 123

لڑکھڑانا ____ 123

محاصرہ یا دم گھونٹنا ____ 123

قیادت و نظم کی جنگ (کمانڈ اینڈ کنٹرول) ____ 123

گوریلا طریقہء جنگ ____ 124

میدانِ جنگ کی صف بندی ____ 124

عسکری قوت کا حرکت میں آنا (جنگی مقاصد و اہداف کا تعین اور عسکری قوت کی ادارات) ____ 125

دشمن کا سامنا (محاذ کا قیام) ____ 126

باب خامس (۵) تنفیذ عملیات ____ 173

مقدمہ ءکتاب
از مصنفینِ کتاب

فنِ حرب کی تعریف

جنگ کے تمام مراحل کو سمجھنے اوران کو منظم کرنے کے فن کو فنِ حرب کہتے ہیں۔ فنِ حرب کی اس تعریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فن حرب کا تعلق جنگ اوراس سے وابستہ امور سے، نیزان کی منظم طریقے سے انجام دہی سے ہے۔ چنانچہ جہاد کے ذیل میں جو جنگ لڑی جاتی ہے اس کے تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے شرعی تعلیمات کی روشنی میں اور شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے تمام تر ممکنہ کوشش ومہارت بروئے کارلا کر جنگ کو منظم طریقے سے انجام دینااور بالآخراس سے مطلوبہ شرعی نتائج کے حصول کی سعی کرنا اسلامی فن حرب کہلائے گا۔ فن حرب کے بنیادی موضوعات درج ذیل ہیں:

1. تفہیمِ حرب
2. تنظیمِ حرب
3. تنفیذِ حرب

حرب سے متعلق تقریباً تمام تر موضوعات انہی بنیادی تین موضوعات کے تحت آتے ہیں۔ان موضوعات کی تفصیل توان شاءاللہ آگے آنے والے ابواب میں آئے گی مگراختصار کے ساتھ ہم یہاں بھی بیان کئے دیتے ہیں۔ حرب ایک معاشرتی عمل ہے، یہ معاشرے میں جنم لیتی ہے۔اس کا آغاز اختلاف سے ہوتاہے، اختلاف تنازعے میں تبدیل ہوتاہے اور تنازعہ جنگ میں بدل جاتاہے۔ جنگ کی اپنی ایک فطرت ہے، اس کی اپنی جہتیں اور اپنے عسکری اصول ہیں۔ جنگ کی مختلف جہتوں پر ہم اس کتاب کے پہلے حصے "تفہیمِ حرب" میں بحث کریں گے،ان شاءاللہ۔ جنگ ایک اجتماعی عمل ہے جواپنی ایک مخصوص ترتیب رکھتاہے۔ جنگ کے لئے ایک سے زیادہ عسکری قوتوں کا موجود ہونا ضروری ہے۔ عسکری قوت کی تشکیل کے بہت سے مرحلے ہیں۔اپنی تشکیل کے تمام مراحل سے گزرنے کے بعد ایک عسکری قوت میدان جنگ میں اتاری جاتی ہے۔ میدان جنگ میں بھی یہ عسکری قوت بہت سے مراحل سے گذرتی ہے۔ جب دو عسکری قوتیں ایک دوسرے کے آمنے

سامنے آجاتی ہیں تو عسکری کارروائیوں کے مرحلے کا آغاز ہوتا ہے۔ غرض جنگ پے در پے مختلف مراحل سے گزرتی ہے اور جنگ کو ہر مرحلے اور ہر سطح پر منظم کرنے کا نام "تنظیمِ حرب" ہے جس پر ہم ان شاءاللہ کتاب کے دوسرے حصے میں بحث کریں گے اور اس کے ذیل میں گوریلا جنگ اور نظامی جنگ پر ان شاء اللہ علیحدہ علیحدہ بحث کریں گے۔ لیکن اس موضوع کی طوالت کے پیش نظر اجمال ہی سے کام لیا گیا ہے اور اس کی تفصیل کو بنیادی کتاب کا حصہ نہیں بنایا گیا۔ ان شاءاللہ اس کو بعد میں ایک علیحدہ تحریر کی صورت میں قدرے تفصیل سے پیش کیا جائے گا۔ عسکری قوت کی تشکیل سے لے کر عسکری کارروائیوں تک پہنچنے کے درمیان بہت سے ادوار اور مراحل ہیں جن کا انتظام کرنا اور پھر عسکری کارروائیاں بالفعل روبہ عمل لانا ہر عسکری قوت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ کتاب کے تیسرے حصے "تنفیذ حرب" میں ہم اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے، ان شاءاللہ۔

فنِ حرب کی ضرورت اور اہمیت

فن حرب سے واقفیت جنگ کے مختلف مراحل اور مختلف سطحوں پر منصوبہ بندی کرنے اور درست فیصلے کرنے میں مدد دیتی ہے۔ فن حرب فریقین کے تفصیلی حالات کا تجزیہ کرکے دوران جنگ نفع ونقصان اور مواقع وخطرات کا اندازہ لگانے میں مدد دیتا ہے۔ مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ فن حرب کی واقفیت ایک مجاہد کے لیے دورانِ جہاد چار قسم کے معاملات میں معاون ہوتی ہے:

1. منصوبہ بندی
2. فیصلہ سازی
3. تیاری
4. کام کا تعین (عمل)

فنِ حرب اور منصوبہ بندی

کام کو منظم انداز سے سرانجام دینے کے خطوط وضع کرنے کو منصوبہ بندی کہتے ہیں۔ جنگ میں ہر سطح پر منصوبہ بندی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ فنِ حرب وہ مضمون ہے جو کسی عسکری قوت میں

منصوبہ بندی کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے اور منصوبہ بندی کے ذیل میں تین قسم کے معاملات میں رہنمائی کرتا ہے:

1. منصوبہ بندی کس قسم کی کرنی ہے؟
2. منصوبہ بندی کیسے کرنی ہے؟
3. اپنی اور دشمن کی حکمت عملیوں اور منصوبوں کے اثرات کیا ہو سکتے ہیں؟

جنگ اگرچہ اپنے آغاز میں چند نفوس اور ایک مخصوص علاقہ تک محدود ہوتی ہے لیکن اپنے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ یہ فطری طور پر بنیادی عسکری تقاضوں کے مطابق اسٹریٹجک، آپریشنل اور ٹیکٹیکل (اصولی، عملیاتی اور تنفیذی)[1] سطحوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ فن حرب ہمیں ان تینوں سطحوں کی منصوبہ سازی میں مدد دیتا ہے۔

---

[1] یہ تینوں اصطلاحات چونکہ کتاب میں بار بار دہرائی جاتی ہیں اس لیے یہاں ان کا مختصر تعارف نسبتاً عام فہم انداز میں کروا دینا مناسب محسوس ہوتا ہے۔ ''سٹریٹیجی'' دراصل ''اصولی یا بنیادی منصوبے'' کو کہتے ہیں اور سٹریٹجک سطح سے مراد اصولی منصوبہ بندی کی سطح ہے۔ مثلاً جنگوں میں جرنیلوں کا کام جنگ کا عمومی نقشہ بنانا اور منصوبہ بندی کرنا ہوتا ہے۔ اس سطح کے عمل کو سٹریٹیجک سطح کا عمل کہا جاتا ہے۔ ''آپریشنل سطح'' کو میدانی یا عملیاتی سطح کہہ سکتے ہیں۔ اعلیٰ عسکری قیادت کی طرف سے وضع کردہ عمومی منصوبے کی روشنی میں متوسط سطح کے عسکری قائدین جو کام کرتے ہیں وہ آپریشنل سطح کے کام کہلاتے ہیں۔ ''ٹیکٹیکل سطح'' کو 'تنفیذی سطح' بھی کہا جا سکتا ہے کہ جہاں سب سے نچلی سطح کی قیادت اور عام سپاہی بالفعل جنگ کرتا ہے اور دشمن سے براہِ راست ٹکراتا ہے۔ اپنے حالات پر منطبق کریں تو شیخ اسامہ رحمہ اللہ، شیخ ایمن حفظہ اللہ، شیخ عطیۃ اللہ رحمہ اللہ، شیخ ابو یحییٰ رحمہ اللہ وغیرہ سٹریٹجک سطح کے قائدین ہیں جن کا بنیادی کام جہادی تحریک کی سمت متعین کرنا، اس کے لیے منصوبہ وضع کرنا، اس کے اصولی اہداف و مقاصد طے کرنا اور تحریک کا رخ انہی اہداف کی سمت برقرار رکھنا ہے۔ شیخ از مرائے رحمہ اللہ کو ہم آپریشنل سطح کا ذمہ دار کہہ سکتے ہیں کہ جو تنظیم میں درمیانی سطح کے قائدین میں سے تھے اور جن کا کام عمومی منصوبے و اہداف کی روشنی میں اپنی ماتحت قوت کو ترتیب دینا، اسے منظم کرنا اور اس سے مطلوبہ سمت میں کام لینا تھا۔ نیز قبائل یا افغانستان کے کسی محاذ پر موجود کسی تشکیل کے ذمہ دار کو ہم ٹیکٹیکل سطح کا ذمہ دار کہہ سکتے ہیں کہ جس کا کام بالفعل میدانِ قتال میں جنگ کرنا اور دشمن سے ٹکرانا ہے۔ یاد رہے کہ ان تین سطحوں میں تقسیم کرنے سے مقصود کاموں اور ذمہ داریوں کی نوعیت کے اعتبار سے امور کو تقسیم کرنا ہے۔ اس سے افراد کی

فنِ حرب اور فیصلہ سازی

جنگ میں انسان ایک غیر یقینی اور ہر دم بدلتی ہوئی صورت حال سے دو چار رہتا ہے۔ انسانی جان اور مال دونوں ہی خطرے میں ہوتے ہیں۔ اس صورت حال میں میدان جنگ میں موجود مجاہدین کو انفرادی اور اجتماعی دونوں ہی طرح کے فیصلے کرنے ہوتے ہیں۔ فن حرب ایک ایسا علم ہے جو ان فیصلوں کے دوران ہمیں دشمن کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے اور اس کی طاقت اور کمزوری معلوم کرنے کا طریقہ کار سکھاتا ہے۔ نیز فن حرب ہمیں اپنے اندر موجود عسکری کمزوریوں کا تعین کرنے اور ان کو دور کرنے میں بھی مدد دیتا ہے۔ فن حرب ہمیں جنگ میں اپنے فائدے کے مواقع پہچاننے کا علم دیتا ہے جس سے صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اسی علم کی بدولت عسکری قائدین اصولی، عملیاتی و تنفیذی سطح پر عسکری اعتبار سے درست فیصلے کرنے کی صلاحیت حاصل کرتے ہیں کیونکہ وہ جان لیتے ہیں کہ انہیں کس قسم کی منصوبہ بندی کرنی ہے اور اپنی قوت کو کہاں لگانا ہے۔ کسی علاقے کو کارروائیوں کا میدان بنانا، کسی دشمن کو ہدف بنانا یا نہ بنانا، ہدف کو نشانہ بنانے کا وقت اور مقام، یہ تمام فیصلے کرنے میں فن حرب کی واقفیت ایک مجاہد کی مدد کرتی ہے۔

فنِ حرب اور تیاری

فن حرب چونکہ جنگ کو منظم انداز سے انجام دینے کا فن ہے تو یہ ہمیں جنگ اور اس کی فطرت، اس کے عسکری اصولوں اور اس کے مختلف پہلوؤں کا علم دیتا ہے۔ فن حرب ہمیں اپنے دشمن کو سمجھنے کا طریقہ ءکار مہیا کرتا ہے۔ یوں دشمن کو ٹھیک طرح سمجھ کر، اس کی قوت کا اندازہ لگا کر، ایک عسکری قوت اس قابل ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو دشمن کے مقابلے کے لیے صحیح طور پہ تیار کر لے۔ اسی

فضیلت کو جانچنا درست نہ ہو گا۔ عین ممکن ہے کہ عسکری اعتبار سے ٹیکٹیکل سطح کا کام کرنے والا شخص عند اللہ سٹریٹیجک سطح کے کام کرنے والوں سے بہت اعلیٰ وارفع ہو۔

علم کے ذریعے فریقین ان وسائل اور افرادی قوت کا تعین کر سکتے ہیں جو خود انھیں جنگ کے دوران کام آنے کی توقع ہوتی ہے۔

فنِ حرب اور کام کا تعین

فن حرب جنگ کو ایک مرتب انداز سے سمجھنے کا نام ہے۔اس لئے یہ فن ہمیں جنگ کے دوران پیش آنے والے مختلف چیلنجوں اور مراحل کو سمجھنے کا موقع دیتا ہے۔جنگ کے چیلنجوں اور مراحل کو سمجھ لینے سے جنگ میں شامل فریقوں کے لیے ان چیلنجوں کے مطابق ہر مرحلے میں پیش آنے والے کاموں کی اقسام اور کاموں کی فطرت کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

حصہ اوّل
تفہیم حرب

بابِ اول(۱)

حرب کا تعارف

حرب کا تصور

جب بھی لفظ 'جنگ' بولا جاتا ہے تو خود بخود انسان کے ذہن میں تیر تلوار یا پھر بندوقوں توپوں اور برستے ہوئے گولوں کا تصور آ جاتا ہے۔ مگر جنگ اس سے کہیں زیادہ وسیع معنی رکھتی ہے۔ جنگ ایک عمومی لفظ ہے۔ جنگ کے بہت سے پہلو ہیں[2]۔ جنگ میں دو فریق ایک دوسرے کے ساتھ عسکری اور غیر عسکری طریقے سے باہم برسرِ پیکار ہوتے ہیں۔ جنگ کا ایک پہلو روحانی ہے جس میں انسان اپنے نظریے سے لگاؤ کی خاطر ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ جتنا اس کا نظریہ مبنی بر حق ہو گا اتنا ہی اس کا قربانی کا جذبہ زیادہ ہو گا۔ جنگ کا ایک پہلو مادی بھی ہے جس میں انسان موسم کی سختیوں سے لے میدان جنگ تک، جنگ کے تمام چیلنجوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ نیز جنگ کے اخلاقی، قانونی، دعوتی، سیاسی اور کئی دیگر پہلو بھی ہوتے ہیں۔

جنگ کا تصور تقریباً ہر قبیلے، ہر قوم، ہر ملک، ہر مذہب میں موجود ہے اور وہ اس کو اپنے اپنے نظریات کے مطابق پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہندومت، عیسائیت، یہودیت اور لادینیت جنگ کے بارے میں اپنے اپنے نظریات رکھتے ہیں۔ اسلام جنگ کے بارے میں ایک واضح اور بالکل

---

[2] شریعت کی رو سے بھی جہاد محض بالفعل قتل و قتال کا نام نہیں، بلکہ قتال جہاد کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔ اس کے علاوہ بھی جہاد کے کئی پہلو اور شعبے ہیں، مثلاً جہاد کی دعوت دینا، جہاد کے لیے اموال و وسائل کا انتظام کرنا، جہاد کو انتظامی اعتبار سے منظم کرنا، وغیرہ۔

منفرد نظریہ رکھتا ہے اور فی سبیل اللہ جہاد کے سوا دیگر تمام تصوراتِ جنگ کو باطل اور فساد فی الارض قرار دیتا ہے۔ نیز اسلام کی تعلیمات ایک مجاہد کو جنگ کے روحانی، اخلاقی، سیاسی، دعوتی، عسکری ہر پہلو پر جامع اور مکمل رہنمائی بھی فراہم کرتی ہیں۔ مسلمانوں اور کفار کے تصورِ جنگ میں اساسی فرق یہ ہے کہ کفار کا تصورِ جنگ وحی سے ماخوذ نہیں ہوتا بلکہ ناقص انسانی ذہنوں، انسانی تجربات، انسانی خواہشات اور انسانی مفادات کی پیداوار ہوتا ہے جبکہ مسلمانوں کا تصورِ جنگ انسانیت کے خالق کا عطا کردہ ہے اور مسلمان اسے عبادت سمجھ کر اپنے خالق کی اطاعت میں اسی کی عطا کردہ تعلیمات کی روشنی میں بجالاتا ہے۔

حرب کی تعریف

جنگ کے تمام پہلوؤں پر محیط تعریف میں ماہرین حرب میں بہت اختلاف ہے۔ مجاہدین کے لیے حرب کی تعریف میں ایک مشکل تو یہ ہے کہ مغرب اور اسلام کے تصورِ جنگ میں بہت فرق اور اختلاف موجود ہے۔ لیکن اس فرق سے قطع نظر، جنگ کی تعریف کے بارے میں اختلاف کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی کوئی تعریف بھی مکمل طور پر جنگ کے ہر پہلو کو ظاہر نہیں کرتی۔ آج مغرب کے عسکری ماہرین جنگ کی جس تعریف کو بالعموم مانتے ہیں اسے جنگ کی عملی تعریف کہا جاسکتا ہے۔ اس تعریف کے مطابق:

> ”جب دو یا دو سے زائد فریقوں کے درمیان مقاصد عظمیٰ باہم متصادم ہوں اور کوئی فریق بھی اپنے مقاصدِ عظمیٰ سے پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہ ہو تو ایک تنازعہ کھڑا ہو جاتا ہے اور اگر اس تنازعہ میں عسکری قوت کا استعمال عمل میں آجائے تو ایسی صورت کو جنگ کہتے ہیں۔“

جنگ کی یہ تعریف عملی تعریف کہلاتی ہے۔ اس تعریف میں کئی خوبیاں بھی ہیں اور کئی خامیاں بھی۔ اس تعریف کو عملی تعریف اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں جنگ کی عملی تیاری میں مدد ملتی ہے۔ یہ تعریف جنگ میں شامل فریقین کا ذکر کرتی ہے جن میں ایک دوست اور ایک دشمن ہے۔ یہ تعریف مقاصد عظمیٰ کی نشاندہی بھی کرتی ہے اور ان مقاصد کے باہمی اختلاف کی وجہ سے پیدا ہونے والے تنازعہ سے بحث بھی کرتی ہے۔ اس تعریف کی خامی یہ ہے کہ یہ جنگ کی

فطرت، روحانی، اخلاقی اور مادی پہلوؤں سے بحث نہیں کرتی۔ اس وجہ سے جنگ کے بہت اہم پہلو سامنے آنے سے رہ جاتے ہیں۔

اصطلاحاتِ فنِ حرب

جنگ کی تعریف سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ جنگ میں فریقین کے مقاصد عظمیٰ کے باہم متصادم ہونے کی وجہ سے باہمی تنازعہ جنم لیتا ہے جو آگے جا کر مسلح تصادم کی شکل میں جنگ کی صورت حال اختیار کرلیتا ہے۔ اس تعریف سے چند اہم اصطلاحات سامنے آتی ہیں اور چند تصورات بھی سامنے آتے ہیں جن کو سمجھنا ضروری ہے اور جو مندرجہ ذیل ہیں:

جنگ کے فریق

جنگ کی پیدائش کے لئے ایک سے زیادہ ایسے گروہوں کا موجود ہونا ضروری ہے جو آپس میں متصادم ہوں۔ یہ انسانی گروہ فرد بھی ہو سکتے ہیں، قبیلے اور قومیں بھی ہو سکتے ہیں اور ملک بھی ہو سکتے ہیں۔ پھر یہ فریق دو قسموں کے ہو سکتے ہیں: داخلی فریق اور خارجی فریق۔ داخلی فریق ایک ہی معاشرے، ملک اور قوم سے تعلق رکھنے والے گروہ انسانی ہوتے ہیں اور خارجی فریق وہ ہیں جو مختلف معاشروں، ملکوں اور اقوام سے تعلق رکھتے ہوں۔ نیز ایک جنگ میں متعدد فریق بھی ہو سکتے ہیں جو ایک دوسرے کے دوست یا دشمن ہوں۔ اس صورت حال میں ایک دوسرے کے ساتھ معاہدات جنم لیتے ہیں اور معاملات میں ایک دوسرے کی امداد کی جاتی ہے۔ اس لئے جنگ میں دوستی اور دشمنی کا معیار مقرر کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی پیمانہ ضرور موجود ہوتا ہے۔

جنگ میں دوستی اور دشمنی کا معیار

فنِ حرب کی رو سے جنگ میں دوستی اور دشمنی کا عمومی معیار بالکل سادہ سا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا کہ جنگ کا اصل مقصد مقاصد عظمیٰ کے حصول کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنا ہے۔ پس جو فرد گروہ یا طاقت اس میں ممدو و معاون ہو وہ دوست ہے اور جو رکاوٹ ڈالے وہ دشمن ہے۔ لیکن اس معاملے میں دو دشواریاں بھی ہیں۔ اول یہ بعض واضح دوستوں اور دشمنوں کو چھوڑ کر باقی

معاشرے کی تمام تر قوتوں کو ان کے رویوں کی روشنی میں دوست دشمن اور غیر جانب دار میں تقسیم کرنا آسان نہیں۔ دوم یہ کہ اس تجزیے اور فیصلے کا اختیار کس کو دیا جائے؟ مسلمانوں کے علاوہ کہیں تو یہ اختیار ملک کے بادشاہ کے پاس ہے تو کہیں پارلیمنٹ کے پاس یا کہیں مذہبی رہنماؤں کے پاس۔ یہ طاقتیں جس کو دشمن قرار دیں وہ دشمن ہے اور جس کو دوست قرار دیں وہ دوست۔ لیکن ایک مسلمان کے لیے تمام تر معاملات میں اصل فیصلہ شریعت کے پاس ہے۔ مجاہدین کے جہاد کے مقاصدِ عظمیٰ بھی شریعت ہی نے مقرر کیے ہیں اور دوستی اور دشمنی کا پیمانہ بھی شریعت نے ولاء و براء کے عقیدے کی صورت میں عطا کر دیا ہے، یعنی ایک مسلمان کی دوستی بھی اللہ کے لیے ہوتی ہے اور دشمنی بھی اللہ کے لیے۔ ذاتی، قومی، لسانی، نسلی، وطنی، قبائلی، گروہی، تنظیمی، معاشی بنیادوں پر وہ دوست و دشمن کا تعیّن نہیں کرتا۔ مسلمان خواہ امریکی ہو اس کا دوست ہوتا ہے اور کافر خواہ سگا بھائی ہو اس کا دشمن قرار پاتا ہے۔ پھر بالخصوص جب مقابلہ کفار سے ہو تو مسلمان اپنے باہمی اختلافات کو پسِ پشت ڈال کر ان کے مقابلے میں ایک مٹھی کی طرح ہو جاتے ہیں۔ پس فنِ حرب کے عطا کردہ دیگر معیارات دورانِ جنگ دوست و دشمن کے تعیّن میں ایک مسلمان کی مدد تو کر سکتے ہیں مگر فیصلہ کن ہر گز نہیں ہو سکتے۔ مسلمان کے لیے اصل پیمانہ تو شریعت ہی ہے۔

مقاصدِ جنگ

جنگ اصل مقصود نہیں ہوتی بلکہ یہ مقصود کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ فنِ حرب کی رو سے جنگ کا مقصد یہ ہے کہ اپنی عسکری قوت کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ دشمن کے جنگ کرنے کا حوصلہ اور اس کا ارادۂ جنگ ختم ہو جائے اور دشمن اپنے مقاصدِ عظمیٰ سے دست بردار ہو کر ہمارے مقاصدِ عظمیٰ کو مان لے یا ہمارے مقاصدِ عظمیٰ کے حصول کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالے۔ اسی لیے مقاصد جنگ، جنگ کے ہر مرحلے میں نگاہوں کے سامنے رہنے چاہییں تاکہ جنگ برائے جنگ ہی مقصود نہ بن جائے اور مقاصدِ عظمیٰ کے حصول کے بجائے فتنہ و فساد ہی نتیجہ نہ نکلے۔ مگر تاریخ انسانی میں جنگ کرنے والے دو گروہ رہے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو اپنے ہر مقصد کو جنگ کے ذریعے سے حاصل کرنا چاہتا ہے جسے فنِ حرب کے ماہرین جنگجو گروہ کہتے ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو اپنے مقاصد

پر نظر رکھتے ہوئے جنگ کرتا ہے۔ ایسے گروہ کو عسکری ماہرین عسکری ذہن رکھنے والا گروہ کہتے ہیں۔ عسکری ذہن رکھنے والے گروہ نے تاریخ انسانی میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی بڑی سلطنتیں قائم ہوئیں ہیں وہ عسکری ذہن رکھنے والے افراد کے ہاتھوں قائم ہوئی ہیں۔ ماہرین حرب سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کو تاریخ کے بہترین عسکری ذہنوں میں سے ایک قرار دیتے ہیں۔ جب کہ جنگجو ذہن رکھنے والا گروہ کچھ عرصہ لڑنے جھگڑنے کے بعد مقصد کھو جاتا ہے اور یا تو کسی دوسری عسکری قوت سے ٹکرا ٹکرا کر ختم ہو جاتا ہے یا آپس کی لڑائیوں سے انتشار کا شکار ہو کر تباہ ہو جاتا ہے۔

مقاصدِ عظمیٰ

مقاصدِ عظمیٰ کسی گروہ، قوم، قبیلے یا ملک کے وہ مقاصد ہوتے ہیں جنھیں وہ ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتے ہوں اور اس کو حاصل کرنے کے لیے اپنی جان، مال اور تمام ممکنہ وسائل لگانے کے لیے تیار ہوں مگر ان مقاصد کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوں۔ انسانوں کے لیے ان کے رب نے ہر دور میں انبیاء بھیج کر انہیں ان کے حقیقی مقصدِ زندگی سے آگاہ کیا ہے۔ اللہ کی بھیجی ہوئی ان تعلیمات پر ایمان لانے والے ہر دور میں مسلمان کہلائے اور انکار کرنے والے کافر۔ ایمان لانے والے اپنی زندگی کا مقصد بھی وحی کی تعلیمات سے اخذ کرتے ہیں اور اپنی جنگ کے مقاصدِ عظمیٰ بھی۔ پھر وہ ان مقاصد کے حصول کے لیے اپنا تن من دھن لٹانے کو تیار ہوتے ہیں۔ شریعت کی رو سے جہاد کے اہم مقاصد درج ذیل ہیں:

- فتنہء کفر و شرک کا قلع قمع اور کفار کے غلبے کا خاتمہ
- اللہ کے دین کی سربلندی اور خلافت کا
- قیام
- مظلومین کی مدد
- اسلامی سرزمینوں کی بازیابی، وغیرہ۔

لیکن جنگ میں اترتے ہوئے کفار کے مقاصدِ عظمیٰ کا علم پھر بھی ضروری ہے کیونکہ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے ان کی جنگی حکمت عملی کو پرکھا جاسکتا ہے اور صلح یا معاہدہ کی صورت میں ان کی نیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کفار کے ہمارے خلاف بر سرِ جنگ ہونے میں ایک بنیادی مقصد جہاں دینِ حق کے خاتمے اور انسانوں کو اپنے باطل عقیدے کا اسیر اور اپنے باطل نظام کا غلام بنانے کی خواہش ہے، وہیں معاشی منافع، سیاسی اغراض، معاشرتی و تہذیبی محرکات بھی ساتھ ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ ان مقاصد کے گہرے فہم کے بغیر دشمن کو ٹھیک طرح سمجھنا اور اسے شکست دینا مشکل ہے۔ نیز کفار کے باہمی تنازعات کو سمجھنے کے لیے بھی مختلف کافر اقوام یا مختلف گروہوں کے مقاصدِ عظمیٰ کو سمجھنا ضروری ہے۔

تنازعہ

جب دو فریقوں کے مقاصد عظمیٰ باہم متصادم ہوں تو ایسی صورت حال کو اختلاف کہتے ہیں۔ اگر کوئی فریق بھی اس اختلاف کو دور کرنے اور اپنے مقاصد کو قربان کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو ایسی صورت حال کو ماہرین حرب تنازعہ کہتے ہیں۔ تنازعہ کو جنگ کی ابتداء سمجھا جاتا ہے۔ جنگ کی پیدائش ہی تنازعہ سے ہوتی ہے اس لیے تنازعہ اور اس کی مختلف صورتوں کو تفصیلاً سمجھنا بہت ضروری ہے۔

تنازعے کی اقسام

تنازعات کی اقسام کو دو طریقوں سے تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1. وجوہاتی تقسیم
2. گروہی تقسیم

اکثر اوقات تنازعہ کی یہ دونوں قسمیں ایک ساتھ موجود ہوتی ہیں۔ ذیل میں تنازعہ کی ان دونوں تقسیمات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

تنازعہ کی وجوہاتی تقسیم

اس سے مقصود ان وجوہات کی نشاندہی ہے جو اصلاً تنازعہ کا سبب بنتی ہیں۔ یہ وجوہات مندرجہ ذیل ہو سکتی ہیں:

1. نظریاتی
2. ذہنی یا فکری
3. شخصی رویہ
4. عملی
5. معاشرتی
6. معاشی
7. جغرافیائی
8. حصول طاقت
9. دفاعی یا عسکری

تنازعہ کی ان وجوہات کو ذیل میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

نظریاتی تنازعات

انسانی گروہوں میں سب سے زیادہ پیدا ہونے والے تنازعے وہ ہیں جن کی بنیاد نظریاتی یا عقائدی اختلاف ہوتا ہے۔ نظریاتی تنازعے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، مثلا یہ کہ حق نظریات کا باطل نظریات سے تنازعہ ہو۔ قرآن نے یہ تکوینی سنت بیان کی ہے کہ حق اور باطل کے درمیان کشمکش ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ جاری رہے گی۔ حق کی فطرت ہے کہ وہ باطل کو للکارتا ہے اور اس کی فکری بنیادوں کو دلیل سے اور اس کی مادی بنیادوں کو قوت سے گرانے کی سعی کرتا ہے۔ باطل کی بھی فطرت ہے کہ وہ حق اور اہلِ حق کے کمزور سے کمزور وجود کو بھی اپنے لیے خطرہ سمجھتا ہے اور ہر ظلم و جبر کرتے ہوئے اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں حق و باطل کا تنازعہ وجود میں آتا ہے۔ مسلمانوں کا دیگر باطل ادیان ماننے والوں سے تنازعہ اسی نوعیت کا ہے۔ اسی طرح نظریاتی تنازعہ دو باطل ادیان و نظریات کے مابین بھی ہو سکتا ہے، جہاں ایک باطل نظریے یا عقیدے کے ماننے والے دوسروں سے اپنا عقیدہ بزور منوانا چاہیں۔ پھر یہ تنازعہ خالصتاً مذہبی بھی ہو سکتا ہے اور غیر مذہبی بھی۔ مذہبی نظریاتی تنازعے کی مثال یہود اور نصاریٰ کے درمیان یورپ کی تاریخ میں پیش آنے والے تنازعات ہیں۔ غیر مذہبی تنازعات کی مثال اشتراکیت اور سرمایہ داری کے درمیان تنازعہ ہے۔

یہ تنازعے غیر مذہبی عموماً اسی صورت میں ہوتے ہیں جب ان غیر مذہبی نظریات کی پابندی بھی کوئی قوم یا گروہ مذہب کی طرح کرتا ہو۔ یہاں تک ہم نے دو یا زائد مذاہب کے مابین تنازعات پر بات کی جو بین المذاہب تنازعات کہلاتے ہیں۔ دوسری قسم کے نظریاتی تنازعے مذاہب کے داخلی تنازعے ہیں۔ مذاہب کے داخلی تنازعے اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں تو جنگوں کی بنیاد بھی بنے ہیں مثلاً عیسائیوں اور یہودیوں کے مختلف فرقوں کے مابین جنگیں، لیکن اسلام میں ایسا نہیں ہوا سوائے ان فرقوں کے ساتھ جن کا دین اسلام کے اصل اصولوں سے اختلاف اتنا بڑھ گیا کہ وہ دین اسلام یا اہل سنت والجماعت سے خارج ہو گئے مثلاً مرتدین، مانعین زکوٰۃ، خوارج اور شیعہ۔

قومی ریاستوں کا دور آنے سے قبل جنگوں کی سب سے بڑی بنیاد بین المذاہب نظریاتی تنازعات ہی رہے ہیں اور آج بھی بظاہر معاشی اور معاشرتی تنازعات کی آڑ میں ہونے والی جنگوں کا اصل پس منظر یہی بین المذاہب نظریاتی تنازعہ ہوتا ہے۔ چونکہ ان نظریاتی تنازعات کی جڑیں بہت گہری ہوتی ہیں اس لیے ان کی وجہ سے پیدا ہونے والی جنگیں بھی صدیوں پر محیط ہوتی ہیں۔ ان جنگوں کے نفسیاتی اور روحانی پہلو بھی دیگر تنازعات سے پیدا ہونے والی جنگوں کے پہلوؤں سے مختلف ہوتے ہیں۔ مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے اور اس کے بعد کی ابتدائی صدیوں میں کفار کے علاقوں پر جو حملے اور فتوحات کی ہیں ان کی بنیاد نظریاتی تنازعہ ہی تھا۔ اسی طرح صلیبی جنگوں کی بنیاد بھی نظریاتی ہی تھی۔

ذہنی یا فکری

یہ تنازعات بھی ایک اعتبار سے نظریاتی تنازعات ہی ہیں لیکن نظریاتی تنازعات کی نسبت ان میں زیادہ وسعت اور گہرائی نہیں ہوتی اور اکثر یہ ایک وقتی سوچ اور فکر کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ آغاز میں ان کا حل آسان ہوتا ہے اور اکثر اوقات یہ تنازعات سیاسی طور پر حل کر لیے جاتے ہیں اور جنگ کی نوبت نہیں آتی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اگر یہ صورتحال برقرار رہے اور تنازعہ حل نہ ہو سکے تو یہ تنازعہ ایک نظریاتی تنازعہ میں تبدیل ہو جاتا ہے جو بالآخر جنگ پر منتج ہوتا ہے۔

یہ تنازعات بعض ملکی قوانین کے بارے میں ہو سکتے ہیں جنہیں کوئی فرد یا گروہ اپنے استحصال کا ذریعہ یا اپنے عقائد سے متصادم سمجھتا ہو۔ اس قسم کے تنازعے زیادہ تر داخلی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ یہ

ملکی انتشار کو جنم دیتے ہیں جو بعد میں خانہ جنگی میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔اس کی مثالیں مغرب میں کلیساء اور جاگیر دارانہ نظام کے خلاف عوام کی بغاوت ہے۔ کسی درجے میں بلوچوں کی پاکستانی اسٹیبلشمنٹ سے جنگ بھی اسی نوعیت کی ہے۔

شخصی رویہ

اس قسم کے تنازعات زیادہ تر اس وقت پیش آتے ہیں جب گروہوں کے پاس کوئی بڑا مقصد نہیں ہوتا اور چھوٹے چھوٹے ذاتی مقاصد کی وجہ سے یہ گروہ اپنی ذات اور شخصیات کو زیادہ اہمیت دے دیتے ہیں۔یوں وہ باہمی تنازعے حل نہیں کر پاتے جس سے بالآخر انتشار جنم لیتا ہے۔اس قسم کے تنازعات میں انسانی رویوں کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ مثلاً بعض افراد اپنے مخصوص رویہ کے باعث دیگر فریقوں سے رابطہ کرنا پسند نہیں کرتے جس سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور اس سے بھی تنازعات جنم لیتے ہیں۔ یہ تنازعہ عام طور پر قبائل یا چھوٹے گروہوں میں پیش آتا ہے۔ بڑے ممالک یا اقوام کی سطح پر ایسے تنازعات کم ہی دیکھے جاتے ہیں۔یہ تنازعات اس وجہ سے بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ دو فریقوں کی قیادت کی سطح کی شخصیات ایک دوسرے کے ساتھ کام کرنے میں دشواری محسوس کرتی ہیں اور مزاجوں کے اختلاف یا ایک دوسرے کو سمجھ نہ سکنے کے سبب ان کے مابین تنازعہ پیدا ہو جاتا ہے جو پھر ان کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ دو گروہوں کا باہمی تنازعہ بن جاتا ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، یہ تنازعات بالعموم وہیں پیش آتے ہیں جہاں کوئی بڑے مقاصد پیشِ نظر نہ ہوں۔

عملی تنازعات

یہ تنازعات کسی چھوٹے یا بڑے عمل کے دوران طریقہء کار کے اختلاف، عدم تعاون یا ذمہ داری کو پورا نہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً ہر شخص، قبیلے، قوم اور تنظیم کے کام کرنے کا طریقہء کار بالعموم دوسروں سے کچھ مختلف ہوتا ہے۔ایک فریق ایک ہی کام کو ایک طریقے سے کرنا چاہتا ہے تو دوسرا فریق اسی کام کو کسی دوسرے طریقے سے کرنا چاہتا ہے۔ یہ طریقِ کار کا اختلاف بعض اوقات تنازعے کا باعث بن جاتا ہے۔اسی طرح دو گروہوں کا ایک دوسرے کے ساتھ کسی کام میں تعاون نہ

کرنا بھی تنازعے کا باعث بنتا ہے۔ مثلا جب ایک گروہ دوسرے سے کسی مشکل میں مدد طلب کرے یا اس کی سرزمین استعمال کرنے کی اجازت چاہے مگر دوسرا گروہ اس کی اجازت نہ دے۔ اسی طرح اگر ایک گروہ دوسرے سے تعاون شروع کرنے کے بعد پیچھے ہٹ جائے تو بھی اس قسم کا تنازعہ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ دو فریقوں کے درمیان بعض معاملات اور معاہدات ہوں جن کی وجہ سے دونوں پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہوں لیکن کوئی ایک فریق اپنی ذمہ داری پوری نہ کرے تو یہ بھی تنازعہ کا سبب بنتا ہے۔

معاشرتی تنازعات

ہر معاشرے کی اپنی کچھ خصوصیات ہوتی ہیں جو اس کے مخصوص معاشرتی پس منظر اور روایات وغیرہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ مختلف خصوصیات والے معاشروں کے باہم تعامل کرنے کے دوران ایسے معاشرتی تنازعات پیدا ہونے کا پورا امکان ہوتا ہے کیونکہ ایک ہی کام بعض اوقات ایک معاشرت میں مستحسن سمجھا جاتا ہے تو دوسرے میں جرم۔ نیز خود ایک معاشرت کے اندر بھی معاشرتی تنازعات جنم لے لیتے ہیں جن کا سبب خود اس معاشرے کی داخلی روایات و مخصوص تصورات ہوتے ہیں۔ غیرت کے نام پر ہونے والے قتل اور ان سے پیدا ہونے والے تنازعات، اسی طرح مخصوص معاشرتوں میں فخر و امتیاز کی مخصوص کیفیتیں اور عورتوں کے نکاح و طلاق کے معاشرتی پہلو بھی تنازعات کا سبب بنتے ہیں۔ یہ تنازعات قبائلی اور دیہی معاشروں میں عام ہیں۔

معاشی تنازعات

انسانی گروہوں کے درمیان معاشی تنازعات زمانہء قدیم سے چلے آرہے ہیں۔ یہ تنازعے تین چیزوں کے گرد گھومتے ہیں۔ اولاً، وہ معاشی وسائل جو انسانی زندگی کے لئے ضروری ہیں مثلاً آبی وسائل یا زرعی وسائل وغیرہ۔ ثانیاً، وہ وسائل جو کسی گروہ اور انسان کے لئے قوت کا باعث بن سکتے ہیں مثلاً معدنی وسائل اور توانائی کے وسائل وغیرہ۔ ثالثاً، وہ محفوظ راستہ جو ان وسائل کو انسان تک پہنچاتا ہے جسے تجارتی راستہ بھی کہتے ہیں۔ ان میں بحری راستہ سب سے اہم ہوتا ہے۔ یہ تنازعہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دو یا دو سے زائد فریقوں کے لیے ان وسائل کے حصول کی جگہ ایک ہی ہو یا

جب کسی ایک فریق کے وسائل پر دوسرے فریق کی نظر ہو۔پاکستان میں صوبوں کے درمیان کالا باغ ڈیم اور تھل کینال کے تنازعے کی بنیاد معاشی ہی ہے۔امریکہ کے عراق پر حملے کی عقائدی بنیادوں کے ساتھ ایک اہم بنیاد تیل کے وسائل پر قبضہ بھی تھی۔روس کی افغانستان آمد کی بھی ایک اہم وجہ گرم پانیوں تک رسائی کی خواہش تھی۔

بعض اوقات یہ تنازعہ اس لیے بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایک گروہ یا قوم مشترکہ طور پر کچھ وسائل استعمال کر رہی ہوتی ہے، پھر کسی سیاسی، قبائلی یا وراثتی تبدیلی کے نتیجے میں یہ وسائل غیر منصفانہ انداز سے تقسیم ہو جاتے ہیں یا کوئی ایک فریق اپنے آپ کو ان وسائل کا زیادہ حق دار گردانتا ہے۔ نتیجتاً ایک تنازعہ پیدا ہو جاتا ہے جس کی حیثیت اکثر معاشی ہی ہوتی ہے۔وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم بعض اوقات مختلف ریاستوں کے درمیان بھی معاشی تنازعات کا سبب بن جاتی ہے۔ جنگ عظیم اول میں جرمنی کے کوئلے کی کانیں فرانس کو دے دیں گئیں۔ دوسری طرف جرمنی کے حصے بخرے کر کے دوسرے ملکوں میں بانٹ دیئے گئے۔اس کو جرمنی نے اپنے ساتھ ناانصافی قرار دیا اور اس کی بنیاد پر ہٹلر اقتدار میں آیا اور یہ تنازعہ دوسری جنگ عظیم میں تبدیل ہو گیا۔ نیز معاشی وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم ایک ملک کے اندر بھی داخلی تنازعات کا سبب بن جاتی ہے ۔پاکستان میں پیدا ہونے والے دو بڑے تنازعوں ،یعنی مسئلہ ء مشرقی پاکستان اور مسئلہ ء بلوچستان کا بھی ایک اہم پہلو وسائل کی یہی غیر منصفانہ تقسیم ہے۔اسی طرح وراثت کی غیر منصفانہ تقسیم بھی بہت سے خاندانوں اور قبائل کے مابین معاشی تنازعات کو جنم دیتی ہیں۔یوں غیر منصفانہ معاشی تقسیم سے قوموں میں احساس محرومی جنم لیتا ہے۔یہ احساس محرومی کئی بار تنازعے سے بڑھ کر باقاعدہ جنگ کی شکل لے لیتا ہے۔

جغرافیائی تنازعات

ان تنازعات کی عموماً دو بنیادیں ہوتی ہیں۔ اول معاشی اور دوم دفاعی۔ جغرافیہ اکثر اوقات مخصوص معاشی فوائد حاصل کرنے کے لیے بہت اہم ہوتا ہے مثلاً کسی اہم زمینی درّے یا کسی تجارتی گزر گاہ یا کسی بندرگاہ کو اپنے قبضے میں کرنا۔اسی طرح دریاؤں کے منبع کو قبضہ میں لینا۔دفاعی اعتبار سے اہم پہاڑی چوٹیوں کو قبضے میں لینا یا دشمن کی رسد کے مخصوص راستوں کو بند کرنے یا اپنے نشانہ پر لینے کے لیے مخصوص علاقے پر کنٹرول حاصل کرنا وغیرہ۔نہر سوئز کا تنازعہ اسی پس منظر میں سمجھا جا سکتا

ہے۔ کشمیر کی جنگ کی بھی ایک اہم بنیاد دریاؤں کے منبع پر قبضے کا تنازعہ ہے۔ سیاچن کی جنگ کا سبب بھی دفاعی اہمیت کے حامل جغرافیہ پر قبضے کا تنازعہ ہے۔

حصول طاقت

تاریخ انسانی ایسے تنازعوں سے بھری پڑی ہے جب انسانی گروہ اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے ایک دوسرے سے نبرد آزماء ہوئے۔ زمانہء قدیم میں شاہی خاندانوں کے شہزادوں کی داخلی جنگوں، مختلف قوی خاندانوں کی باہمی جنگوں یا مختلف بادشاہوں کی باہمی جنگوں کی نوعیت یہی تھی۔ جدید دنیا میں بھی یہ تنازعے کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ آج کی سیاسی پارٹیوں کی لڑائیاں بھی اسی زمرے میں آتی ہیں۔ ملکوں یا اقوام کی سطح پر ان تنازعات کی بنیادیں اکثر نظریاتی یا معاشی تنازعوں سے جڑی ہوتی ہیں لیکن بعض اوقات کسی بھی بڑے مقصد سے قطع نظر صرف ہوس ملک گیری اور شوکت کا حصول ہی مقصود ہوتا ہے جو دیگر فریقوں کے ساتھ تنازعہ کا سبب بنتا ہے۔

دفاعی یا عسکری

ملکوں، قوموں یا قبیلوں کے درمیان اپنے دفاع کی کوشش یا عسکری اقدامات بھی تنازعہ کا سبب بنتے ہیں۔ اپنے دفاع کو مستحکم کرنے کے لیے ایک فریق مخصوص جغرافیہ پر قبضے کی کوشش کرتا ہے جو کہ تنازعے کا سبب بنتا ہے۔ اپنے دفاع کی کوشش میں کی جانے والی عسکری تیاریوں کو بھی دوسرا فریق بعض اوقات بدنیتی (ارادہء اقدام) پر محمول کرتا ہے جو تنازعہ کا سبب بن جاتا ہے۔ ایٹمی اسلحہ کی تیاری، خلا میں ہتھیار بھیجنا اور مخصوص قسم کے جدید اسلحے کی خریداری یا تیاری وغیرہ اکثر ہی تنازعہ کا سبب بنتے ہیں، جیسا کہ آج کل ایٹمی ہتھیاروں کے مسئلے پر ایران امریکہ تنازعہ یا خلاء میں سیارہ بھیجنے کے مسئلے پر امریکہ شمالی کوریا تنازعہ چل رہا ہے۔

ضروری وضاحت:

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ تنازعات کی یہ تمام اقسام ہم نے فنِ حرب کی رو سے ایک تجزیاتی انداز میں ذکر کی ہیں۔ یعنی یہ وہ تنازعات ہیں جو تکوینی طور پر انسانی معاشروں میں پیش آتے رہتے ہیں اور تاریخ انسانی میں بارہا پیش آتے رہے ہیں۔ رہا یہ معاملہ کہ ان میں سے کونسے تنازعات

شرعاً محمود اور کونسے مذموم ہیں، ہر تنازعے میں حق پر کون ہوتا ہے اور باطل پر کون، کونسے تنازعات شرعاً جنگ کھولنے کا جواز بن سکتے ہیں اور کونسے نہیں، تو یہ فقہ الجہاد کا موضوع ہے اور اس کے لیے علومِ شرع کے ماہرین کی طرف لوٹ کر ان سے فتاویٰ اور شرعی رہنمائی لی جائے گی۔ تنازعات کی جو اقسام ہم نے یہاں ذکر کیں وہ خود ہم مجاہدین کے عمل کی بنیاد نہیں بن سکتی ہیں، البتہ ان اقسامِ تنازعات کا فہم ہمیں کفار کے ہمارے اوپر حملہ آور ہونے یا ان کے ایک دوسرے کے خلاف برسرِ جنگ ہونے کے اصل اسباب سمجھنے اور ان کا بہتر طور پر مقابلہ کرنے میں مدد دیتا ہے۔

تنازعہ کی گروہی تقسیم

تنازعوں کی دوسری تقسیم انسانی گروہوں کی بنیاد پر کی جاسکتی ہے، یعنی دو افراد کے درمیان تنازعہ، دو قبائل کے درمیان تنازعہ، دو ممالک کے درمیان تنازعہ وغیرہ۔ گویا اس تقسیم کے دوران ہم تنازعے کی وجوہات سے زیادہ اس میں شریک گروہوں پر نگاہ رکھتے ہیں، اگرچہ ان گروہوں کے تنازعات کی پشت پر بھی کوئی واضح وجوہات ضرور موجود ہوتی ہیں۔ مثلاً دو ملکوں کے درمیان جغرافیائی تنازعہ یا دو افراد کے درمیان معاشی تنازعہ یا دو مذاہب (قوموں) کے درمیان نظریاتی تنازعہ وغیرہ۔ گروہی بنیاد پر تنازعہ کی مندرجہ ذیل اقسام ہو سکتی ہیں:

1. انفرادی
2. قبائلی
3. قومی (مذہبی)
4. ریاستی

ذیل میں گروہی تنازعات کی ان اقسام کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

انفرادی تنازعات

جب دو یا زائد افراد انفرادی طور پر کسی تنازعہ میں ملوث ہو جائیں تو یہ انفرادی تنازعات کہلاتے ہیں۔ انفرادی تنازعات عموماً معاشی، معاشرتی، عملی یا شخصی رویے سے متعلق ہوتے ہیں۔

قبائلی تنازعات

قبائلی تنازعات بھی اکثر معاشی تنازعات ہی ہوتے ہیں مثلاً پانی، زرعی زمین اور چراہ گاہوں وغیرہ پر تنازعات۔ لیکن اس میں قبائلی تعصب کا کردار بہت نمایاں ہوتا ہے۔ اس صورت میں بسا اوقات تنازعات کو قبائلی روایات کے طور پر بھی قائم رکھا جاتا ہے۔ اکثر متصل علاقوں میں آباد قبائل کے تنازعات ریاستوں کے تنازعات کی طرح ہوتے ہیں۔ قبائل میں داخلی تنازعات بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ تنازعات یا تو انفرادی سطح پر ہوتے ہیں یا چھوٹے چھوٹے جتھے بن جاتے ہیں۔ اگر یہ تنازعات حل نہ ہوں تو قبائل کی ٹوٹ پھوٹ عمل میں آتی ہے اور نئے قبائل یا قبائل کی نئی شاخیں وجود میں آتی ہیں۔ اکثر کسی بڑے قبیلے کی ذیلی شاخیں اسی عمل سے پیدا ہوتی ہیں۔ یہ شاخیں بعد میں خود ایک مستقل قبیلے کے طور پر دوسری شاخوں سے معاملات کرتی ہیں۔

قومی (مذہبی) تنازعات

یہ تنازعات اکثر نظریاتی ہوتے ہیں اور ان کے نتیجے میں دو مختلف نظریات و عقائد والی اقوام ایک دوسرے سے الجھ جاتی ہیں۔ جیسے مسلمانوں اور نصاریٰ کے درمیان دہائیوں تک جاری رہنے والی صلیبی جنگوں میں ہوا۔ نیز بعض اوقات کسی قوم کو اپنے نظریات پھیلانے سے زیادہ اپنی طاقت وشوکت جمانا اور دوسروں کو مغلوب کرنا مطلوب ہوتا ہے اور یہ خواہش بھی قومی تنازعات کا سبب بنتی ہے۔

ریاستی تنازعات

یہ تنازعات بسا اوقات نظریاتی اور اکثر معاشی اور جغرافیائی ہوتے ہیں اور کبھی کبھار یہ معاشرتی بھی ہوتے ہیں۔ نوآبادیاتی دور کے خاتمہ پر بننے والی ریاستوں میں جغرافیائی اور معاشی تنازعہ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ممالک کی غیر فطری تقسیم ان کے مابین آبی، زرعی اور معدنی وسائل پر معاشی تنازعہ کا سبب بنتی ہے۔ اسی طرح اگر پڑوسی ریاستوں میں طاقت کا توازن نہ ہو تو طاقتور ملک کمزور ملک کے معاشی یا دفاعی اہمیت کے جغرافیہ کو قبضہ کرنے کی کوشش کرتا ہے جو جغرافیائی تنازعہ کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح اگر دو پڑوسی ریاستیں مختلف نظریات کی حامل ہوں تو وہ ایک دوسرے کو اپنے نظریات سے متاثر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کوشش نظریاتی تنازعے کا باعث بنتی ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان تنازعات اسی نوعیت کے ہیں۔ ان جدید قومی ریاستوں میں داخلی

تنازعات بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ کئی ممالک ایک سے زائد قوموں یا قبائل پر مشتمل ہیں۔ ملکی یا ریاستی قومیت کا غیر فطری و غیر شرعی تصور ان فطری قوموں اور قبائل کو نہ ہی جوڑ پاتا ہے اور نہ ہی ان میں محبت اور ہم آہنگی پیدا کر پاتا ہے۔ نتیجتاً ایک طرف تو طاقتور قوم یا قبیلہ دوسرے کے حقوق غصب کرنے کی کوشش کرتا ہے تو دوسری طرف دیگر اقوام اور قبائل میں تنازعہ کی بنیاد ڈال دیتا ہے۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان تنازعات یا پنجابی اور بلوچ قوم کے مابین تنازعات اسی نوعیت کے ہیں۔

تنازعے کا حل

کفار کے عسکری ماہرین تنازعات کو حل کرنے کے لیے کئی تدابیر ذکر کرتے ہیں اور یہ سبھی تدابیر وہ تاریخ میں استعمال کرتے رہے ہیں۔ ان تدابیر کا خلاصہ یہ ہے کہ یا تو ایک یا دونوں فریق اپنے اپنے مقاصد عظمیٰ میں سے کسی نہ کسی حصہ پر دوسرے کی بات مان لیتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ معاہدہ کرکے تنازعہ ختم کر دیتے ہیں۔ دوسرا حل یہ ہے کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مشترکہ طور پر مقاصد عظمیٰ حاصل کرنے کے لئے معاہدہ کرتے ہیں۔ یہ اس وقت ہی ممکن ہوتا ہے جب کہ دونوں فریق ایک ہی دین اور مذہب اور افکار سے تعلق رکھتے ہوں اور ان کے مابین تنازعہ کسی ذیلی یا چھوٹی قابلِ افہام و تفہیم وجہ سے شروع ہوا ہو۔ تنازعے کا تیسرا حل یہ ہے کہ کوئی ایسا درمیانہ راستہ تلاش کیا جاتا ہے کہ جس میں دونوں فریقوں کے لیے اپنے اپنے مقاصد یا ان کے بڑے حصے کے حصول کی راہ نکل آئے۔ یہ تبھی ممکن ہے دونوں فریقوں کے مقاصدِ عظمیٰ اتنے متصادم و متضاد نہ ہوں کہ ان کا بقائے باہمی کسی صورت ممکن نہ ہو سکے۔ کبھی کبھی تنازعہ اتنا بڑا نہیں ہوتا اور اس کو نظر انداز کرنے سے تنازعہ اپنی موت آپ مر جاتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی طریقہ کام نہ کرے تو پھر فریقین میں جنگ کا امکان بہت بڑھ جاتا ہے۔ گویا کفار کے نزدیک تنازعے کے حل کے مندرجہ ذیل طریقے ہیں:

1. جگہ دینا
2. مل کر کام کرنا

3. درمیانی راستہ نکالنا
4. نظر انداز کرنا
5. مقابلہ کرنا (جنگ)

وضاحت:

یہاں بھی یہ وضاحت ضروری ہے کہ کفار تو جب چاہیں ان میں سے کوئی بھی طریقِ کار اختیار کر کے اپنے تنازعات حل کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں کیونکہ وہ کسی حق ناحق کے، کسی وحی پر مبنی ناقابلِ تغیر اصول کے پابند نہیں اور انہیں محض اپنے مفادات سے غرض ہوتی ہے۔ ہمارے لیے ان طریقوں کا سرسری علم اس لیے ضروری ہے تاکہ ہم کفار سے جنگ کے وقت پہلے سے یہ سمجھ سکیں کہ کفار ان میں سے کوئی بھی طریقہ استعمال کر کے تنازعے کے حل تک پہنچنے کی کوشش کر سکتے ہیں اور بہت سے وہ امور جو ایک مرحلے پر ناقابلِ بحث و ناقابلِ ترمیم لگ رہے ہوتے ہیں، ضرورت پڑنے پر کافر ان پر بھی بحث مباحثے، مذاکرات اور سودا بازی پر تیار ہو سکتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کا معاملہ اس سے یکسر مختلف ہے۔ مسلمان اپنے داخلی تنازعات یا کفار کے ساتھ اپنے تنازعات نمٹانے کے لیے اپنی عقل یا خواہشات یا مفادات کی طرف نہیں لوٹتے بلکہ شریعت سے فیصلہ لیتے ہیں۔ پھر شریعت ہی فیصلہ کرتی ہے کہ کس تنازعے میں کون حق پر ہے اور کون ناحق؟ اور کہاں جنگ کرنا لازم ہے اور کہاں صلح؟ کن امور میں تنازل وافہام و تفہیم ممکن ہے اور کن میں نہیں؟ مثلاً، اللہ کے کلمے کی سربلندی اور غلبہء کفر کا خاتمہ ایک ایسا ہدف ہے جس پر کسی قسم کا لے دے ممکن نہیں اور کوئی درمیانی راہ نہیں نکالی جاسکتی۔ کفار کو یا تو اسلام قبول کرنا ہوگا یا جزیہ دے کر چھوٹا بن کر رہنا ہوگا یا پھر جنگ کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس کے برعکس مسلمان باغیوں کے ساتھ جنگ میں شریعت کے احکامات میں بہت وسعت پائی جاتی ہے اور باغی اگر ہتھیار ڈال دیں تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ ان کو قتل کیا جائے، یا ان سے دورانِ بغاوت جو افعال سرزد ہوئے ان پر ان کی پکڑ کی جائے۔ الغرض، اپنے تنازعات نمٹانے میں ایک مسلمان کو شریعت اور بس شریعت ہی کی طرف لوٹنا ہے اور جیسے شریعت حکم کرے ویسے ہی کرنا ہے خواہ اس کی زد خود اس پر اور اس کے دنیاوی مفادات پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔

بابِ ثانی (۲)

جہاتِ حرب[3]

تعارف

جنگ کی ابتداء مقاصد عظمیٰ کی سطح پر تنازعہ پیدا ہونے سے ہوتی ہے۔اب اگر تنازعہ حل نہیں ہوتا تو دونوں فریقوں کے درمیان مسلح تصادم ہو سکتا ہے۔جب جنگ کا آغاز ہوتا ہے تو اس کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔ جنگ میں فریقین کو اپنے آپ کو حق پر ثابت کرنا ہوتا ہے۔اپنی فوج میں لڑنے کا حوصلہ پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اپنی عسکری قوت میں وہ اخلاقی معیار قائم کرنا ہوتا ہے جو کہ اسے جنگ کے دوران اور امن کے زمانے میں ایک اعلیٰ کارکردگی کے قابل بنا سکے۔جنگ کا ایک اور پہلو وہ نفسیاتی اثرات ہیں جو کہ جنگ ایک عسکری انسان پر ڈالتی ہے جیسے خوف، بے یقینی کی کیفیت، نقصان وغیرہ۔ جنگ کے ان مختلف پہلوؤں کا فہم ایک متوازن عسکری قوت تشکیل دینے اور اس کا تربیتی نظام وضع کرنے میں مدد دیتا ہے۔

جنگ کے مندرجہ ذیل پہلو ہیں:

1. جنگ کا اصولی (اخلاقی) پہلو
2. جنگ کے آداب کا پہلو (قانونی پہلو)
3. جنگ کا نفسیاتی پہلو
4. جنگ کا مادی پہلو

---

[3] جہاتِ حرب سے یہاں ہماری مراد حرب کی مختلف جہتوں یا مختلف پہلوؤں کو بیان کرنا ہے۔

5. جنگ کا معاشی پہلو
6. جنگ کا معاشرتی پہلو

جنگ کا اصولی (اخلاقی) پہلو

جنگ کا اصولی پہلو شاید مضامین جنگ میں سب سے اہم اور فیصلہ کن پہلو ہے۔ کوئی جنگ، جنگ کے اس پہلو پر کلام کئے بغیر آگے نہیں چل سکتی۔ تمام مسلمان اور غیر مسلم قومیں جو جنگ لڑتی ہیں ان کے یہاں اس موضوع کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔ تمام افواج کے تربیتی اداروں میں یہ مضمون بطور خاص پڑھایا جاتا ہے۔ کفار کے عسکری ماہرین جنگ کے اس پہلو کو اخلاقی پہلو کا نام دیتے ہیں، لیکن چونکہ ان کے اور ہمارے درمیان اخلاق کی تعریف و تصور ہی میں اختلاف ہے اس لیے ہم اس طویل بحث سے بچنے کے لیے ہم نے اسے یہاں جنگ کے اصولی پہلو کا نام دیا ہے۔ جنگ کا اصولی پہلو کسی فریق کو جنگ کے لیے درکار تین ناگزیر چیزیں فراہم کرتا ہے یا یوں کہیے کہ جنگ کے تین اہم عناصر پر بات کرتا ہے:

1. تشکیلِ عسکری قوت کا جواز (نظریہ ءجنگ)
2. جنگ کا جواز (جائز جنگ اور ناجائز جنگ پر بحث)
3. جنگ کرنے کا حوصلہ (مورال)

تشکیلِ عسکری قوت کا جواز (نظریہ ءجنگ)

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، مسلمانوں کے لیے جہاد ایک عبادت کی حیثیت رکھتی ہے جو انسانوں کے خالق نے ان پر فرض کی ہے اور اس کے اسباب و مقاصد اور اس کے آداب و اطوار سب کے بارے میں رب کی شریعت نے تفصیلی تعلیمات دی ہیں۔ لیکن ہر جہادی تحریک کو اپنے اپنے حالات میں اپنی قوم و ملت کو اور اپنے ساتھ چلنے والے افراد کو یہ سمجھانا ہوتا ہے کہ ان حالات میں وہ کونسے عوامل پیش آئے ہیں یا دشمن کی طرف سے وہ کونسے اقدامات ہوئے ہیں جن کے سبب عسکری قوت تیار کرنا، ہتھیار اٹھانا اور جہاد کرنا ان پر فرض ہو گیا ہے۔ الغرض جہاد کے اصولی شرعی حکم کو اپنے زمینی حقائق سے جوڑ کر پیش کرنا فنِ حرب کی اصطلاح میں نظریہ ءجنگ پیش کرنا کہلاتا ہے۔

دوسری طرف کفار کا معاملہ یہ ہے کہ ان کے پاس جنگ سے متعلق برحق اٹل اصولی ہدایات بھی نہیں موجود کیونکہ وہ اسلام کا انکار کر چکے ہیں۔ چنانچہ انہیں ایک عسکری قوت تشکیل دینے کے لیے، اپنا نظریہ ء جنگ تشکیل دینے کے لیے اور اپنے ساتھ چلنے والوں کو مطمئن کرنے کے لیے اصولی مباحث بھی اپنی ناقص عقلوں سے طے کرنے پڑتے ہیں اور ان مباحث کو اپنے مخصوص زمینی حالات سے تطبیق بھی خود ہی دینی پڑتی ہے۔ اس عمل کے نتیجے میں سامنے آنے والا فلسفہ کفار کی عسکری قوت کا نظریہ ء جنگ کہلائے گا۔

جنگ کا جواز (جائز اور ناجائز جنگ)

تشکیلِ عسکری قوت کے بعد جنگ کے اخلاقی پہلو کا دوسرا اہم مضمون یہ ہے کہ اگر کوئی تنازعہ پیش آگیا ہے اور جنگ کی نوبت آگئی ہے تو کیا یہ جنگ جائز ہے یا ناجائز؟ اسے جنگ کے جواز و عدم جواز کی بحث بھی کہا جاتا ہے۔ اسلام کی رو سے جنگ سمیت کسی بھی شے کو جائز یا ناجائز قرار دینے کا، یا حلال و حرام قرار دینے کا اختیارِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ لہٰذا ایک مجاہد یا ایک جہادی تحریک اپنی تحریک کا جواز قرآن و سنت کی نصوص سے اور ان نصوص کی اسلاف نے جو تشریحات کی ہیں ان سے اخذ کرتا ہے۔ شریعت کے نزدیک بھی بعض جنگیں جہاد فی سبیل اللہ ہیں (مثلاً وہ جو حملہ آور کافروں کو مسلم سرزمین سے پچھاڑ باہر کرنے کے لیے ہوں) اور بعض فتنہ و فساد ہیں (مثلاً جاہلی عصبیت پر مبنی جنگیں)، لیکن جائز ناجائز کی اس تقسیم کو بیان کرنے کے لیے شریعت کا ایک اپنا پیرایہ اور اپنا پیمانہ ہے۔ نیز مسلمان کے لیے بحث جائز و ناجائز جنگ سے آگے بڑھتے ہوئے فرضِ کفایہ اور فرضِ عین جنگ کے سوال تک جاتی ہے، اور اسے ان تمام امور کے لیے شریعت کی طرف لوٹنا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس کفار چونکہ ہدایت سے محروم ہیں اس لیے وہ خود ہی سے کوئی نظریہ ء جنگ تشکیل دیتے ہیں اور خود ہی حلال و حرام قرار دینے کا حق غیر اللہ کے سپرد کرتے ہیں اور خود سے کئی پیچیدہ سوالات کھڑے کر کے ان کے پیچیدہ جوابات دے کر خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی جنگ جائز کب ہوتی ہے اور ناجائز کب؟ مغربی ماہرینِ فنِ حرب کے نزدیک اگر کوئی عسکری قوت اپنے نظریہ جنگ سے ہم آہنگ رہتے ہوئے جنگ کا ارادہ کرتی ہے اور جنگ کی اجازت دینے کی مختار قوت سے

اجازت بھی لے لیتی ہے تو یہ اس معاشرے میں جائز جنگ کہلائے گی۔ ہمارے لیے یہ نکتہ سمجھنا اس لیے اہم ہے کہ اگر ہم کافر فوجی کا یہ ذہن سمجھ گئے اور اس ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی جنگ کو مضبوط دلائل کے ذریعے ناجائز و باطل جنگ ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس کے لیے میدان میں قدم جمانا ناممکن ہو جائے گا۔ نیز اسی کی روشنی میں ہم مجاہدین کے خلاف کفار کے پراپیگنڈے کا مؤثر توڑ بھی کر سکیں گے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، مغربی عسکری ماہرین کے نزدیک نظریہء جنگ سے ہم آہنگ ہونے کے بعد بھی ایک عسکری قوت کو جنگ کی اجازت دینے کی مختار قوت سے اذن لینا ضروری ہے۔ اعلان جنگ کرنے کا اختیار کسے حاصل ہے؟ کون یہ فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے کہ جنگ شروع کی جائے یا نہ کی جائے؟ یہ ان بنیادی سوالات میں سے ہے جو عصر حاضر کی افواج کی جنگوں کو جہاد فی سبیل اللہ سے علیحدہ کرتے ہیں۔ جدید ریاستی افواج یہ اختیار نظری طور پر جدید وطنی ریاست کو دیتی ہیں۔ پھر کہیں تو یہ اختیار عملاً سربراہِ ریاست یعنی صدر کے پاس ہوتا ہے اور کہیں پارلیمان کے پاس۔ نیز فوجی آمریتوں میں یہی اختیار ملک کے فوجی سربراہ کے پاس ہوتا ہے اور بادشاہی نظام میں یہی اختیار بادشاہ کے پاس۔ الغرض، جدید افواج (خواہ وہ کافر ممالک کی افواج ہوں یا نام نہاد مسلم مالک کی) یہ اختیار اللہ رب العزت اور اس کی شریعت سے چھین کر غیر اللہ کو دے دیتی ہیں۔ اس کے برعکس جہاد کا اصولی حکم اللہ رب العزت کی عطا کردہ شریعت میں دیا گیا ہے اور قرآن و سنت کی تعلیمات اس میں حرفِ آخر ہیں۔ شریعت نے تفصیل سے بتا دیا ہے کہ جہاد فرضِ عین کب ہوتا ہے اور فرضِ کفایہ کب؟ اور کونسی شرائط پوری نہ ہوں تو جنگ جہاد کی بجائے فساد قرار پاتی ہے۔ پھر اگر اسلامی خلافت قائم ہو تو شریعت یہ اختیار خلیفہ کو دیتی ہے کہ وہ شرعی اصولوں اور دینی مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے کس وقت کس دشمن سے جنگ کا اعلان کرے اور کس سے صلح کا۔ نیز اس فیصلے میں بھی وہ مختارِ کل نہیں ہوتا بلکہ وہ محض شریعت کی تعلیمات کا نفاذ کر رہا ہوتا ہے اور جہاں بھی اس کا فیصلہ کسی صریح شرعی حکم سے متصادم ہو تو مسلمانوں پر اس کی اطاعت ترک کر کے اللہ کی اطاعت کو تھامے رکھنا لازم ہو جاتا ہے۔ پھر اگر اسلامی خلافت موجود نہ ہو، جیسا کہ آج کل ہے، تو مسلمانوں پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ فرض جہاد کی ادائیگی اور احیائے خلافت کے لیے خود میں سے کسی کو امیرِ جہاد چنیں اور امیرِ

جہاد، جہاد سے متعلق شرعی احکامات کی تنفیذ اور جنگ اور صلح کے فیصلے کرے۔ اسی فرق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کے حکم کی بجائے ریاست کے حکم پر جنگ لڑنے والی جدید افواج اگر خود کو اسلامی بھی کہلائیں تو وہ اسلامی نہیں ہو سکتی ہیں۔

ایک اہم نکتہ

یہاں ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ کفار کے عسکری ماہرین اپنی کتب میں صراحت سے لکھتے ہیں کہ **جنگ آخری حربے کے طور پر کی جائے۔** ان کا نظریہ ہے کہ اگر جنگ کرنے سے نقصان کا خدشہ زیادہ ہو تو نہ کی جائے اور **جنگ تبھی کی جائے جب کامیابی کے امکانات روشن ہوں۔** اس سے ہمیں کافر افواج اور ان کی اعلیٰ قیادت کی ذہنیت سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ کفار کسی بر حق دعوت کی خاطر یا کسی اٹل نا قابلِ تغیر اصول کی خاطر جنگ نہیں کرتے۔ اس لیے ان کے لیے جنگ محض مقاصد کے حصول کا ایک آلہ ہے جسے تبھی استعمال ہونا چاہیے جب اس کے استعمال سے مفادات پورے ہوتے ہوں۔ گویا اگر مجاہدین اپنی مدِ مقابل کافر فوج کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جائیں کہ جنگ شروع کرنے یا جاری رکھنے میں اس کو فائدے سے زیادہ نقصان ہو گا تو قوی امکان ہے کہ وہ مدِ مقابل فوج جنگ سے ہاتھ کھینچ کر پیچھے ہٹنے پر مائل ہو جائے گی۔ دوسری جانب مسلمانوں کے نزدیک جنگ کا تصور اس سے یکسر مختلف ہے۔ وہ جنگ بالاصل رب کے حکم پر کرتے ہیں، اس لیے جنگ کرنے نہ کرنے کا فیصلہ مفادات پر نہیں بلکہ شرعی احکامات پر مبنی ہوتا ہے۔ بعض اوقات دنیاوی نتائج کے اعتبار سے شکست اور شہادت کی موت کھلی آنکھوں سے نظر آ رہی ہوتی ہے لیکن لشکرِ حسین رضی اللہ عنہ کی طرف جنگ پھر بھی جاری رکھی جاتی ہے۔ اسی طرح فرضِ عین جہاد کی صورت میں فرض پورا کرنا خود ایک ہدف ہوتا ہے خواہ دنیا میں کامیابی کے امکانات بالکل ہی معدوم ہوں۔

جنگ کرنے کا حوصلہ (مورال)

جنگ کرنے کا حوصلہ کسی بھی عسکری قوت اور اس میں شامل انسان کا وہ جذبہ ہے جو اسے میدان جنگ میں اترنے اور اس میں کھڑا رکھنے کی قوت بخشتا ہے، اور اپنے دشمن کو قتل کرنے اور خود اپنی

جان کو کر قربان کرنے کے لئے تیار کرتا ہے۔اس کو عسکری اصطلاح میں مورال یاارادۂ جنگ بھی کہتے ہیں۔ عسکری قوت کا حوصلہ بنانے کے دو اہم پہلو ہیں۔

1. حوصلے کا اجتماعی پہلو
2. حوصلے کا انفرادی پہلو

حوصلے کا اجتماعی پہلو

ایک عسکری قوت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے ساتھ چلنے والوں کے ارادۂ جنگ میں اضافہ کرنے کے لئے انتظام کرے۔اس کے لیے تربیتی نظام ترتیب دیا جاتا ہے اور اسی کام کے لئے عسکری مشقیں کی جاتیں۔ جتنا زیادہ کسی عسکری قوت کے ساتھ چلنے والے افراد اس کے مقاصد واہداف پر واضح و یکسو ہوں گے اتنا ہی ان کا حوصلہ مضبوط ہو گا۔اسی لیے مجاہدین کو چاہیے کہ وہ اپنے ساتھ چلنے والے افراد کو پوری بصیرت کے ساتھ چلنے کے قابل بنائیں اور ان کے ذہن میں اپنی تحریک کے اہداف و مقاصد واضح طور پر راسخ کریں۔

حوصلے کا انفرادی پہلو

انسان کی فطرت ہے کہ وہ جنگ میں اترنے اور خود کو جانی و مالی نقصان کے خطرے میں پھینکنے سے قبل یہ سوال ضرور کرتا ہے کہ اس سب کے بدلے اسے کیا ملے گا؟ آخرت کے درست عقیدے اور کسی سچی دعوت سے محروم کافر عسکری قوتوں کے پاس اس سوال کا کوئی مضبوط جواب نہیں موجود ہوتا اسی لیے ان میں سے کوئی تو اس معاملہ میں دھوکہ دہی سے کام لیتا ہے (مثلاً صلیبی جنگوں میں عیسائی پادریوں کا یہ نظریہ کہ اس جنگ میں شرکت سے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے)؛ کوئی انسانی حرص و ہوس کو ابھارتا ہے (مثلاً بال بچوں کی کفالت، ترقی و مراعات کی لالچ اور پلاٹ اور زمینیں ملنے کے وعدوں جیسے عوامل جو کہ گزشتہ دو سو سال سے برصغیر میں فرنگی کی بنائی ہوئی فوج کو میدان میں اتارنے کا باعث بنتے رہے ہیں)۔ نیز بعض عسکری قوتیں اسی انفرادی حوصلے کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے عجیب و غریب نظریات پیش کرتی ہیں مثلاً پروفیشنلزم، نیشنلزم، اظہار شجاعت و مردانگی وغیرہ۔اس کے برعکس اسلام کی تعلیم اس معاملے میں حق و سچ پر مبنی اور بالکل واضح اور دوٹوک ہیں۔ بیعتِ عقبہ کے موقع پر جب انصاری صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اللہ کے نبی ﷺ سے سوال

کیا کہ آپ ﷺ کو پناہ دینے، آپ کی نصرت کرنے، ساری دنیا کے کافروں سے آپ کا دفاع کرنے، اپنا گھر بار لٹوانے کے بدلے ہمیں کیا ملے گے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لفظ میں جواب دیا: جنت! پس یہ معاملہ غیر مسلموں کے لیے انتہائی تکلیف دہ ہے کہ دین اسلام کی تعلیمات سے اخذ کردہ مجاہدین اسلام کا انفرادی اور اجتماعی حوصلہ ایک طرف تو مسلمانوں کے ایک چھوٹے سے گروہ کو دس گنا سے ہزار گنا تک بڑی قوت سے ٹکرانے پر آمادہ کر دیتا ہے اور دوسری طرف یہ ایک تنہا فرد کو بھی وہ قوت بخش دیتا ہے کہ وہ استشہادی حملہ تک کر لینے پر تیار ہو جاتا ہے۔

جنگ کے آداب کا پہلو (قانونی پہلو)

جنگ کا ایک اہم پہلو آدابِ جنگ کا پہلو ہے، یعنی یہ کہ دورانِ جنگ کن کن اصولوں اور آداب کو پیشِ نظر رکھا جائے[4]۔ اسلام نے مجاہدین کو "آداب القتال" کے عنوان سے مفصل رہنمائی دی ہے کہ جنگ میں کسے مارنا جائز ہے اور کسے مارنا ناجائز؟ جنگ میں دشمن کے اموال کے ساتھ کیسے تعامل کیا جائے گا؟ مجاہدین کے قبضے میں آنے والے اموال کو کیسے تقسیم کیا جائے گا؟ قیدیوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا؟ ان آداب کی خلاف ورزی کرنے پر کیا سزا مرتب ہو گی؟ وغیرہ۔ اس کے بالمقابل جدید افواج اپنی جنگ کے آداب بین الاقوامی قوانین خصوصا جنیوا معاہدات سے اخذ کرتی ہیں۔ جنیوا معاہدات چار معاہدات اور دو ضمیموں کا مجموعہ ہے جس پر دنیا کی بیشتر ریاستوں نے دستخط کر رکھے ہیں۔ ان معاہدات میں طے کردہ قوانینِ جنگ اپنے کئی اصولی مباحث اور فروعی ضوابط میں شریعت سے متصادم ہیں۔ نیز خود ان قوانین میں جن امور پر اتفاق کیا گیا ہے ان کی دھجیاں گوانتانامو، ابو غریب، فلوجہ، غزہ، وغیرہ میں بکھیری جا چکی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس قانون کی پشت پر خوفِ خدا کا اساسی عنصر نہیں ہو گا اور قانون محض اس لیے مانا جا رہا ہو گا کہ اس میں ہمارا مفاد ہے اور اگر ہم نے

---

[4] کفار کے عسکری ماہرین اسے جنگ کا قانونی پہلو کہتے ہیں لیکن چونکہ ان کے یہاں قانون کی تعریف و تصور، اسلام کے عطا کردہ تصور سے بالکل جدا ہے اور ان کے یہاں قانون و اخلاق کے تعلق پر ایک پیچیدہ فلسفیانہ بحث بھی موجود ہے اس لیے ہم نے اس کی جگہ آدابِ جنگ کی اصطلاح استعمال کی ہے کیونکہ شریعت میں علۃ القتال اور آداب القتال کے عنوان سے دو مستقل بحثیں موجود ہیں۔

مخالفت کی تو دوسرے فریق بھی مخالفت کر بیٹھیں گے، تو اس قانون کی پابندی آخر کتنی دیر تک کی جا سکے گی، خصوصاً جہاں یہ قانون مفادات سے ٹکراتا ہو؟ اس کے برعکس مسلمان اللہ سے ثواب کی امید لیے شرعی آداب القتال کی پابندی کرتے ہیں اور ان کا دشمن کتنی ہی حدیں توڑ بیٹھے ان کے لیے ان آداب سے سرِ مو انحراف جائز نہیں ہوتا۔ اسی لیے تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کی جنگیں انسانیت کے لیے بحیثیتِ مجموعی سراپا رحمت رہی ہیں اور مسلمانوں نے کبھی کافروں کی طرح فریقِ مخالف کی عزتوں کو پامال کرنے اور بچوں کو چن چن کر قتل کرنے جیسے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب نہیں کیا۔

آداب و ضوابط کا ایک اور پہلو ان داخلی معاملات سے متعلق ہے جو کسی عسکری قوت کے معاشرے سے تعامل کرنے کے دوران یا خود اس قوت کے اندر مختلف عسکری افراد کے درمیان پیش آتے ہیں۔ یہ بحث اگرچہ کفار کے یہاں جنگ کے قانونی پہلو ہی کے ذیل میں آتی ہے، لیکن ہمارے یہاں یہ آداب القتال سے یکسر مختلف باب ہے اور اس پر علماء نے حدود و قصاص، تعزیرات، قضاء اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ابواب کے تحت بحث کی ہے۔ غرض، شریعت نے جنگ کے اس پہلو پر بھی جامع و کامل رہنمائی عطا کی ہے جسے جاننے کے لیے علمائے شرع سے رجوع کرنا لازم ہے۔

جنگ کا نفسیاتی پہلو

جنگ کی صورت حال اور اس کی فطرت کی وجہ سے جنگ کرنے والے عسکری فرد کے ذہن پر کئی عوامل اثر انداز ہوتے ہیں اور اس کے جنگ کرنے کے حوصلے کو متاثر کرتے ہیں۔ یہ پہلو جنگ کا نفسیاتی پہلو کہلاتا ہے۔ جنگ میں انسان مسلسل صورت حال کی تبدیلی، دشمن کے حملوں، پے در پے کارروائیوں کا سامنا کرتا ہے۔ اس صورتحال میں اس کو جانی مالی نقصان کا سامنا ہوتا ہے۔ اس کا بدن نیند کی کمی اور تھکاوٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ فتح اور شکست بھی اس کی نفسیات پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہ تمام صورت حال انسانی ذہن پر خوف اور بے یقینی پیدا کر سکتی ہے۔ یہ خوف اور بے یقینی کی فضاء انسان کے جنگ کرنے کے حوصلے کو بری طرح متاثر کر سکتی ہے۔ جنگ کے نفسیاتی پہلو کے ذیل میں مندرجہ ذیل تین قسم کے معاملات کو پیش نظر رکھنا اہم ہے:

1. جنگ میں نفسیاتی اثرات پیدا کرنے والے عوامل

2. نفسیاتی عوامل کے جنگ کرنے کے حوصلے پر اثرات
3. جنگ کے نفسیاتی پہلو کا علاج

جنگ میں نفسیاتی اثرات پیدا کرنے والے عوامل

جنگ فطری طور پر انسان کو ناپسند ہے۔ جنگ کے دوران بے شمار عوامل ایسے پیش آتے ہیں جو جنگ لڑنے والوں پر منفی نفسیاتی اثرات ڈالتے ہیں۔ یہ نفسیاتی اثرات انسان میں جنگ سے کراہت پیدا کرتے ہیں اور اس کی صلاحیتوں پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ بعض ایسے عوامل درج ذیل ہیں۔

- مالی یا جانی نقصان
- تھکاوٹ
- نیند کی کمی
- تنہائی
- دھماکوں کی آواز
- بھوک پیاس
- مسلسل کارروائیاں
- مسلسل جگہوں کا بدلنا
- ساتھیوں کی اموات اور زخمی ہونا
- شکست کے اثرات
- پسپائی کے اثرات

نفسیاتی عوامل کے جنگ کرنے کے حوصلے پر اثرات

جنگ میں منفی نفسیاتی اثر پیدا کرنے والے عوامل جب کسی فرد پر حاوی ہونے لگیں تو یہ اس کے حوصلے پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ جنگ کی وجہ سے فرد کے حوصلے پر درج ذیل منفی اثرات پیدا ہو سکتے ہیں۔

○ **خطرے کا احساس:** خطرے کے احساس سے یہاں مراد یہ ہے کہ جنگ کرنے والا فرد ہر وقت اپنے آپ کو خطرے میں محسوس کرنے لگے۔ یہ خطرہ جانی اور مالی دونوں طرح کا ہو سکتا ہے۔ اس احساس کی وجہ سے اس کی کارکردگی اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت متاثر ہوتی ہے۔

○ **خوف کا احساس:** جنگ کے نفسیاتی اثرات کے زیر اثر جنگ لڑنے والا فرد ایک مستقل خوف کی سی کیفیت میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ یہ خوف دوران جنگ دشمن کا یا موت کا خوف ہو سکتا ہے اور جنگ سے باہر ہونے کی صورت میں جنگ میں جانے کا خوف ہو سکتا ہے۔ اگر یہ خوف انسان پر طاری ہو جائے تو اس کی نفسیات کے ساتھ ساتھ اس کی صحت پر بھی منفی طور پہ اثرانداز ہوتا ہے۔

○ **بے یقینی کی کیفیت:** بے یقینی کی کیفیت سے یہاں مراد یہ ہے کہ جنگ کرنے والا فرد ہر وقت ایک بے یقینی کی کیفیت کا شکار رہنے لگے۔ ہر وقت مستقبل کا سوچ کر پریشان رہے اور فتح اور شکست کی امید اور خوف کے درمیان وقت گزارتا ہو۔ بے یقینی کی کیفیت انسان کی فیصلے کرنے کی صلاحیت پر اثرانداز ہوتی ہے اور اسے تردد و تذبذب کا شکار کر دیتی ہے۔

جنگ کے نفسیاتی پہلو کا علاج

جنگ کا نفسیاتی پہلو ہر فوج کے لیے اہم ہوتا ہے۔ زمانہء قدیم سے ہی ہر فوج میں اپنے سپاہیوں کی نفسیات کو بہتر بنانے کا کوئی نہ کوئی بندوبست ضرور ہوتا ہے۔ جنگ کا نفسیاتی پہلو ایک ایسا خاموش دشمن ہے جس کا اگر علاج نہ کیا جائے تو یہ دیکھتے ہی دیکھتے کھڑی تیار فوج کو دیمک کی طرح کھا جاتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اکثر اوقات جنگوں میں فوجیں اپنی تعداد اور وسائل میں کمی کے بجائے نفسیاتی پہلو سے شکست کھاتی ہیں (بنگلہ دیش میں پاکستانی فوج کا جنگ لڑے بغیر شکست تسلیم کرنا اس کی واضح مثال ہے)۔ دین اسلام اس اعتبار سے دنیا کا مضبوط ترین دین ہے کیونکہ اس کی تعلیمات میں فرد کو دورانِ جنگ پیش آنے والے ہر قسم کے نفسیاتی مسائل کا حل موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام پر درست طریقے سے عمل پیرا فوج نے ہر دور میں کفار کی بڑی سے بڑی قوت کو شکست دی ہے۔ ذہن میں رہے کہ جنگ کے نفسیاتی اثرات کو کم تو کیا جا سکتا ہے لیکن یکسر ختم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہی کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے دوران جنگ پیدا ہونے والے ان

نفسیاتی اثرات پر بھی الگ سے اجر کا وعدہ کیا ہے۔ قرآن میں وادیوں کو طے کرنے کی مشقت، بھوک اور پیاس اور دل میں گزرنے والی پریشانی پر بھی الگ سے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔ جنگ کے نفسیاتی پہلو پر قابو پانے کے لیے مندرجہ ذیل طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔

- قیادت کی توجہ
- تزکیہ ء نفس
- شرعی احکامات کا علم
- عسکری حالات کا علم
- مضبوط تربیتی نظام

قیادت کی توجہ

نفسیاتی پہلو پر قابو پانے کے لیے سب سے اہم امر قیادت کی توجہ ہے۔ اپنے سپاہیوں کے نفسیاتی پہلو سے غافل قیادت اکثر اپنی جنگیں ہار دیتی ہے۔ ایک ہوشیار قیادت میدان جنگ اور دشمن کا تجزیہ کرتے ہوئے جنگ کو ایسے رخ پر لے جاتی ہے جو سپاہیوں کے نفسیاتی معاملات پر قابو پانے میں معاون ہوتی ہے۔ طارق بن زیاد کی کشتیوں کو جلانے کی حکمت عملی نے دشمن کی کثرت کے خوف سے جنگ سے جی چرانے کے نفسیاتی اثر کو اپنے دفاع اور بقاء کی خاطر آخری دم تک لڑنے کے نفسیاتی اثر سے تبدیل کر دیا۔ جنگ سلاسل میں رومیوں کا اپنے آپ کو زنجیروں کو باندھ کر میدان میں آنا بھی اسی قسم کی کوشش تھی، یہ اور بات ہے کہ اللہ کے شیروں کے سامنے یہ ترکیب کام نہیں آئی۔ کئی موقعوں پر باہم متحارب لشکر اپنی عورتوں اور بچوں پر دشمن کے قبضے کے خوف سے جنگ کے نفسیاتی پہلو پر قابو پاتے ہوئے دیوانہ وار لڑے ہیں۔ بہر حال ہر صورت میں ایک بیدار مغز قیادت اللہ کے اذن سے اپنے سپاہیوں کی ذہنی کیفیت، حالات اور دشمن کی طاقت کا تجزیہ کرتے ہوئے سپاہیوں کی نفسیاتی حالت کا درست علاج کر سکتی۔

تزکیہ ء نفس

نفسیاتی پہلو پر قابو پانے کا ایک اساسی علاج تزکیہ ء نفس ہے۔ تزکیہ ء نفس نبوی تعلیمات کا ایک اساسی ستون ہے۔ جس قدر کوئی نفس شہوات و شبہات کی آلائشوں سے پاک ہو گا اور جس قدر اس

میں ایمان راسخ ہو گا اسی قدر وہ فرد قیادت، ملک، قوم، ساتھیوں سب سے بے پروا ہو کر اپنے ایمان کے داخلی تقاضوں پر اکیلا بھی میدان عمل میں نکل آئے گا اور اپنی جان اور مال قربان کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ البتہ خود تزکیہء نفس کا عمل ہر فرد کے لیے از خود کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس معاملے میں بھی قیادت کی ذمہ داری ہے کہ ساتھیوں کے تزکیہء نفس کا اور ان کی ایمانی تربیت کا بندوبست کرے، تاکہ ان کی آخرت بھی سنور سکے اور وہ دنیا میں بھی اسلام کے دشمنوں کی چالوں کے سامنے ڈٹ کر کھڑے رہ سکیں۔

شرعی احکامات کا علم

باطن کے تزکیے کے ساتھ ساتھ اپنے ظاہر کو شرعی احکامات کا پابند بنانا بھی شرعاً مطلوب ہے۔ جس قدر ایک مجاہد شرعی احکامات کا، خصوصاً جہاد و قتال، الولاء والبراء اور سیاستِ شرعیہ سے متعلق شرعی احکامات کا گہرا علم رکھتا ہو گا اتنی ہی بصیرت اور استقامت کے ساتھ اس کے لیے میدان میں کھڑے رہنا اور ہر گرم سرد حالات کا مقابلہ کرنا ممکن ہو گا۔ علم راسخ ہو تو دشمن کے نفسیاتی حملوں کا توڑ دلائلِ شرعیہ کی قوت سے کیا جا سکتا ہے لیکن علم کمزور ہو تو پوری عمارت ہی گویا کمزور کھڑی ہوتی ہے اور دشمن کے لیے اسے گرانا سہل ہو جاتا ہے۔

عسکری حالات کا علم

عسکری حالات کا علم بھی جنگ کے نفسیاتی پہلوؤں پر قابو پانے میں بہت مدد دیتا ہے۔ علم کے ذریعے بے یقینی پر قابو پایا جا سکتا ہے، اسی طرح متوقع نقصان پر قابو پانے کی مناسب منصوبہ بندی بھی کی جا سکتی ہے۔ لیکن عسکری حالات سے یکسر غافل شخص کو مشکل صورتِ حال کے سامنے میں بہت دشواری ہو سکتی ہے۔

مضبوط تربیتی نظام

کسی عسکری قوت کے لیے ضروری ہے کہ جہاں اپنے سپاہیوں کی دیگر اقسام کی تربیت کا بندوبست کرے وہاں جنگ کے نفسیاتی اثرات پر قابو پانے کے لیے بھی ایک بھرپور تربیتی نظام ترتیب دے۔ تربیت کے ذریعے جنگ کے نفسیاتی اثرات کو خاصی حد تک کم کیا جا سکتا ہے۔ ایک اچھی تربیت

کے ذریعے تھکاوٹ، نیند اور بھوک وغیرہ کو برداشت کرنے کی مشق کروائی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اسلحہ کے زیادہ استعمال اور رمایہ کے ذریعہ اسلحہ کی جھجک اور دھماکوں کے خوف کو کم کیا جاسکتا ہے۔ تربیت کے ذریعے تیزی سے سفر کرنے اور جگہ تبدیل کرنے وغیرہ کی خوب مشق ہو سکتی ہے۔ ابتدائی طبّی امداد کی اچھی تربیت سے دوران جنگ زخموں کے خوف کو کم کیا جاسکتا ہے۔ پسپائی کی مناسب تربیت کے ذریعے جانی اور مالی نقصان کو کم کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ تربیتی نظام کو جتنا بہتر بنایا جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ خصوصاً گوریلا عسکری قوت کا تربیتی نظام ایک نظامی فوج کے مقابلے میں بہت جامع ہونا چاہیے۔

جنگ کا معاشی پہلو

معیشت وہ آلہ ہے جو کسی قوم کو جنگ کے دوران وسائل فراہم کرتا ہے۔ ہر جنگی فریق کی اولین کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے دشمن کی معیشت کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچائے اور اپنی معیشت کو دشمن کے حملوں سے محفوظ رکھے۔ معیشت کی مضبوطی و کمزوری کے جنگ پر براہِ راست اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ جو فریق اپنی معیشت کی حفاظت کرلے اس میں لمبی جنگ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جبکہ جو قوم اپنی معیشت کو دشمن کی بمباری اور حملوں سے محفوظ نہ رکھ سکے تو اس کی جنگ کرنے کی صلاحیت کم ہو جاتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مدینہ پہنچنے کے بعد بیشتر ابتدائی کارروائیاں قریشِ مکہ کی معیشت کو نشانہ بنانے کی غرض سے کی گئیں اور ان کے تجارتی قافلوں پر حملے کیے گئے، یہاں تک کہ غزوہء بدر کا سبب بھی تجارتی قافلے پر حملے کے لیے نکلنا ہی بنا۔ ماضی قریب میں ہم نے دیکھا کہ روس نے بنیادی طور پر اپنی معیشت بیٹھنے سے شکست کھائی حالانکہ افغانستان سے پسپائی کے وقت بھی وہ اسلحے اور افرادی قوت کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی طاقتوں میں سے تھا۔ آج امریکہ کا حال بھی کچھ زیادہ فرق نہیں۔

جنگ کا مادی پہلو

جنگ کا مادی پہلو جنگ کے وہ حالات ہیں جن کا سامنا جنگ کرنے والے ہر فریق کو کرنا ہوتا ہے۔ ماہرین حرب کے مطابق جنگ میں انسان صرف ایک قسم کے دشمن سے ہی نبرد آزما نہیں ہوتا کہ جو

اسلحہ لے کر اس کے خلاف نکلتا ہے بلکہ اس کے اور بھی ایسے دشمن ہیں جو اس کو ایک بڑا جانی اور مالی نقصان پہنچانے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ایک فیصلہ کن شکست سے دوچار کر سکتے ہیں۔اس لئے جنگی فریقین کو ان دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی تیاری کرنا ہوتی ہے۔جنگ کے اہم مادی پہلو مندرجہ ذیل:

1. موسم
   - سردی کی جنگ
   - گرم علاقے کی جنگ
   - بارش کے علاقے کی جنگ
2. میدان جنگ کا جغرافیہ
   - صحرائی جنگ
   - میدانی جنگ
   - پہاڑی جنگ
3. بیماری
4. مسلح دشمن
5. جنگ میں جنگ کی جگہ کی اہمیت
6. جنگ میں وقت کی اہمیت
7. جنگ کے عمومی حالات یا ماحول

جنگ اور موسم

موسم جنگ پر فیصلہ کن اثرات پیدا کر سکتا ہے۔تاریخ انسانی کی بے شمار جنگیں ایسی ہیں جن میں جنگ کے فیصلے پر موسم نے بنیادی اثرات ڈالے ہیں۔جو فوجیں اپنے آپ کو علاقے کے موسم کے مطابق تیار نہیں کرتیں وہ یا شکست کا یا بھاری نقصان کا سامنا کرتی ہیں۔ سلطان سلیمان جو سلطنت عثمانیہ کا سب سے بڑا حکمران سمجھا جاتا ہے،اس کے زمانے میں مسلمان تمام مشرقی یورپ اور روس

کے بیشتر علاقوں پر غالب آ گئے تھے۔ان علاقوں پر قبضے کے بعد سلطان نے وسطی یورپ پر قبضہ کرنے کے لئے آسٹریا پر حملہ کیا۔یہ سردی اور بارش کا زمانہ تھا۔بارش اور کیچڑ کی وجہ سے سلطان اپنی بھاری توپیں اور قلعوں کو توڑنے کا سامان اپنے ساتھ نہیں لے جا سکا۔اسے شدید سردی اور بارش کی وجہ سے دشمن کا محاصرہ کرنے میں بہت سی مشکلات اٹھانا پڑیں۔اسی طرح فرانس کے جرنیل نپولین اور دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر دونوں نے روس پر حملے کے دوران دشمن کی فوج کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ موسم سے شکست کھائی۔اس طرح کی بہت سی دیگر مثالیں بھی موجود ہیں۔اسی طرح گرم موسم کے اثرات فوج میں بیماریوں اور جسم میں پانی کی کمی کا باعث بنتے ہیں جو فوج کے لڑنے کی صلاحیت کو بری طرح متاثر کر سکتے ہیں۔ موسم کے جنگ پر اثرات اتنے واضح ہیں کہ ہر موسم کے اعتبار سے طریقہء جنگ تبدیل کرنا ہوتا ہے۔اسی وجہ سے ماہرین حرب جنگ کی اقسام کو موسم کے اعتبار سے بھی تقسیم کرتے ہیں۔موسم کے اعتبار سے جنگ کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

- سرد علاقے کی جنگ
- گرم علاقے کی جنگ
- بارش کے علاقے کی جنگ

میدان جنگ کا جغرافیہ

موسم کی طرح میدان جنگ کا جغرافیہ بھی جنگ کے نتائج پر فیصلہ کن اثرات مرتب کر سکتا ہے۔ میدان جنگ کا جغرافیہ جنگ میں متحرک ہونے کی راہ میں بڑی رکاوٹ پیدا کر سکتا ہے جس کی وجہ سے دشمن کی صفوں میں داخلے میں رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے۔نیز جغرافیہ کسی عسکری قوت کے لیے فطری دفاع کا کام بھی دے سکتا ہے اور دفاع میں بہت سے اسلحے اور ساز و سامان سے زیادہ اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔گوریلا جنگ میں علاقے کے جغرافیہ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔گوریلے دشوار گزار پہاڑی علاقوں میں پناہ لیتے ہیں جن میں داخل ہونے کے لئے نظامی (روایتی) فوجوں کو بہت قوت استعمال کرنا پڑتی ہے۔موسم کی طرح میدان جنگ کے جغرافیے کے اعتبار سے بھی جنگوں کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

- صحرائی جنگ
- میدانی جنگ
- پہاڑی جنگ

غزوہء خندق میں خندق کا دفاعی استعمال اور احد میں پہاڑی درّے پر تیر اندازوں کی تعیناتی جیسی مثالوں سے جغرافیہ کے استعمال کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

جنگ اور بیماری

موسم اور جغرافیہ کی طرح جنگ میں بیماری بھی جنگ کے نتائج پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ موسم کی سختی، جغرافیہ کی دشواری اور خود جنگ بیمار اور زخمیوں کی تعداد میں اضافہ کرتی ہے۔ بیمار اور زخمیوں کی تعداد کا بڑھنا جنگ کرنے والی قوت پر بری طرح اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک عسکری قوت میں اگر کوئی وباء پھیل جائے تو لڑنے والی فوج لڑائی کے قابل نہیں رہتی۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ شام کی فتح کے بعد صحابہء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فوج میں طاعون کی وباء پھیلی اور اس میں پچیس ہزار مجاہدین شہید ہوئے جن میں بڑی تعداد اکابر صحابہؓ، قابل مجاہدین اور سپہ سالاروں کی تھی۔ یہ وباء مسلم لشکر کی قوت پر بری طرح اثر انداز ہوئی تھی۔

جنگ اور مسلح دشمن

جنگ کے مادی پہلو کا ایک اہم حصہ مسلح دشمن سے نبرد آزما ہونا ہے۔ اسی لئے جنگی فریقین کے لیے ایک دوسرے کے مقاصد، عسکری اور سیاسی قوت کا تعین کرنا اور ایک دوسرے کی چالوں اور طریقہء جنگ کو جاننا ضروری ہوتا ہے۔ اسی لئے فریقین اپنے تربیتی نظام میں فنِ حرب کی تعلیم کو شامل کرتے ہیں۔

جنگ میں جنگ کی جگہ کی اہمیت

میدان جنگ میں ہر فریق اپنے آپ کو ایک مستحکم مقام پر رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ مستحکم مقام حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ میدان جنگ میں پانی کی جگہ، چھپنے کی محفوظ جگہ، اہم راستوں اور گزر گاہوں پر قبضہ کرے۔ جنگ بدر اور جنگ حطین میں مسلمانوں نے میدان جنگ میں

پہلے پہنچ کر پانی کے کنوؤں پر قبضہ کر لیا۔ دشمن کو ایسی جگہ پر رکھا جہاں سورج اس کی آنکھوں میں پڑتا تھا اور مسلمانوں کی پشت پر پڑتا تھا۔ دشمن کو ریتلی جگہ پر رکھا اور مسلمانوں کو مضبوط مٹی والی زمین پر جگہ ملی۔ ان تمام عوامل سے مسلمان مستحکم مقام پر آ گئے اور دشمن کمزور جگہ پر۔ اس لئے جنگ میں جنگ کی جگہ کی بہت اہمیت ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر جنگ کی جگہ کا مطالعہ فن حرب کے اہم مضامین میں شامل ہے۔

جنگ میں وقت کی اہمیت

جنگ میں وقت بھی ایک فیصلہ کن عنصر ہو سکتا ہے۔ میدان جنگ میں اپنے مقام کو مستحکم کرنے کے لئے وقت بہت اہم حیثیت رکھتا ہے۔ اگر ہم جنگ بدر اور جنگ حطین کی مثالیں اپنے سامنے رکھیں تو معلوم ہو گا کہ مسلمان ان دونوں میدانوں میں اپنے دشمن سے وقت کے لحاظ سے پہلے پہنچے اور اپنے آپ کو مستحکم مقام پر لے آئے۔ مگر کئی جگہوں میں وقت سے پہلے پہنچ جانا بھی نقصان دہ ہوتا ہے۔

جنگ کے عمومی حالات یا ماحول

جنگ میں اس علاقے، قوم اور اس قوم کا رویہ جنگ کے فیصلے پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ جنگ قوم پر اثر ڈالتی ہے اور قوم کا رویہ جنگ پر اثر ڈالتا ہے۔ ایک فریق جنگ کرنا چاہتا ہے مگر اس کی قوم اس کا ساتھ نہیں دے رہی تو اس عسکری قوت کے لئے جنگ میں کھڑا رہنا بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ایک فریق کی قوم اس اس کے ساتھ جنگ میں قربانی دینے کے لئے تیار ہے تو اس فریق کا مقام جنگ میں مستحکم ہو گا۔ پس جنگ کے عمومی حالات سے ہماری مراد قوم کا جنگ کی طرف رویہ ہے۔ اس رویہ کو بنانے میں اس قوم کی تاریخ، معیشت، نظام تعلیم تربیت اور تجربات اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

باب ثالث (۳)

آلاتِ حرب

تعارف

جنگ کا اصل مقصد مقاصد عظمیٰ کے حصول کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنا ہوتا ہے۔ جب ایک فریق دوسرے فریق کے مقاصد عظمیٰ کے حصول کی راہ میں رکاوٹ ڈالتا ہے تو تنازعہ پیدا ہوتا جو حل نہ ہو سکے تو جنگ کا سبب بنتا ہے۔ جنگ میدان جنگ میں لڑی جاتی ہے اور جنگ لڑنے کے آلات میدان کی مناسبت سے بنائے جاتے اور استعمال کیے جاتے ہیں۔ لیکن یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ دورِ قدیم سے ہی جنگ صرف عسکری میدان میں نہیں لڑی جاتی بلکہ بے شمار جنگیں صرف سیاسی میدان میں ہی لڑی گئی ہیں۔ اسی طرح جنگیں معاشی اور دعوتی میدانوں میں بھی لڑی جاتی ہیں۔ اگر کسی کے ذہن میں جنگ کا مقصد کچھ اعلیٰ تر مقاصد کا حصول ہو تو اسے ان جنگ کے ان مختلف میدانوں کو سمجھنے میں کوئی اشکال واقع نہیں ہو گا لیکن اگر کسی کے ذہن میں جنگ سے محض قتل وغارت اور خونریزی ہی مقصود ہو ہو تو اسے یہ بات شاید سمجھ نہ آسکے۔

پس قدیم ادوار سے جنگیں ان چار مختلف میدانوں میں لڑی جاتی رہی ہیں، یعنی دعوتی، سیاسی، معاشی اور عسکری میدان۔ ان چاروں میدانوں میں لڑنے کے لیے عسکری قوت کو ہمیشہ دعوتی، عسکری، سیاسی اور معاشی آلاتِ حرب کی ضرورت رہی ہے، کیونکہ ہر میدان میں جنگ لڑنے کے لیے میدانِ جنگ کی ضرورت اور مناسبت سے عسکری قوت تیار کی جاتی ہے۔ اس قوت کو میدان جنگ کی ضروریات کے مطابق ہر قسم کی ضروری تربیت سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ کسی میدان میں جنگ لڑنے کے لیے ضروری ہے کہ آلہء جنگ بھی اس میدان سے مناسبت رکھتا ہو اور اسے طے شدہ

حکمت عملی کے مطابق منظم کر کے مخصوص ترتیب اور انداز میں استعمال کیا جائے۔ پس اگر میدان کسی اور طرز کا ہو اور آلہ ءجنگ کسی اور طرز کا تو اس آلہ ءجنگ سے فائدے کی بجائے الٹا نقصان ہو گا۔ عسکری قوت کا ہر آلہ اپنے میدان میں جنگ لڑنے کی اصولی صلاحیتوں یعنی اقدام اور دفاع سے لیس ہونا چاہیے۔ ان دونوں صلاحیتوں کے حصول کے لیے آلہ ءجنگ میں تینوں بنیادی جنگی صلاحیتوں: یعنی ضرب، حرکت اور دفاع کی صلاحیتوں کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ ہر میدان جنگ میں جنگ لڑنے کے لیے مناسب ہتھیاروں کا بھی انتخاب کیا جاتا ہے۔ میدان کی مناسبت سے تربیت اور میدان ہی کی مناسبت سے ہتھیاروں کی موجودگی مل کر کسی عسکری قوت میں ضرب، حرکت اور دفاع کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ ذیل میں ہر میدان جنگ کی مناسبت سے جنگ میں استعمال ہونے والے بنیادی آلات حرب کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

- دعوتی آلات حرب
- سیاسی آلات حرب
- معاشی آلات حرب
- عسکری آلات حرب

آلات حرب کی بنیادی قسمیں تو یہی اوپر بیان کردہ چار ہیں لیکن ان کی تیاری اور انتخاب میں چند مزید عوامل کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے مثلاً جب دو فریقوں کے درمیان ایک ایسا تنازعہ ہو جو وجہِ جنگ بن سکتا ہو لیکن ابھی تک جنگ پیدا نہ ہوئی ہو تو مقاصد عظمیٰ کے حصول کے لیے مندرجہ ذیل تین عوامل اختیار کیے جا سکتے ہیں۔ ان عوامل کو طریقہ ہائے جنگ کہا جا سکتا ہے۔

- رعب کی جنگ
- پیش بندی کی جنگ
- برابری کی جنگ

رعب کی جنگ سے مراد یہ ہے کہ تنازعہ کے جنگ میں تبدیل ہونے سے پہلے جنگی تیاری کے ذیل میں ایسے اقدامات اٹھا لیے جائیں جن سے خوفزدہ ہو کر دشمن کا ارادۂ جنگ ختم ہو جائے اور عملاً جنگ کی نوبت ہی نہ آئے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دشمن کو تیاری کا موقع دیئے بغیر اس پر حملہ

کر دیا جائے تا کہ دشمن کی غفلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے بھرپور نقصان پہنچا دیا جائے یہاں تک کہ اس کا ارادۂ جنگ ختم ہو جائے۔ اس عمل کو پیش بندی کی جنگ کہا جاتا ہے۔ تیسری صورت میں اگر دشمن بھی ہوشیار ہو تو جنگ شروع ہوتے ہی وہ بھی میدان میں اپنی پوری قوت کے ساتھ آموجود ہوتا ہے۔ اس صورتحال کو برابری کی جنگ کہا جاتا ہے۔ ان تینوں طریقہ ہائے جنگ میں استعمال ہونے والے آلاتِ حرب بھی مختلف ہوتے ہیں۔ پس کسی جنگ کے لیے آلاتِ حرب کی تیاری یا انتخاب میں ان عوامل کا پیش نظر رہنا ضروری ہے۔

جب کسی میدان جنگ میں جنگ لڑی جاتی ہے تو عمل کے اعتبار سے جنگ میں مندرجہ ذیل دو بنیادی سرگرمیاں وقوع پذیر ہوتی ہیں:

- اقدام
- دفاع

دشمن کو شکست دینے یا اس کی صفوں میں رخنہ ڈالنے کے لیے اقدام کیا جاتا ہے اور دشمن کے حملے سے اپنا بچاؤ کرنے کے لیے دفاعی حکمت عملی اختیار کی جاتی ہے۔ پس ہر میدان کے آلات حرب میں ان دونوں صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے۔ ان آلات کو ان مطلوبہ بنیادی صلاحیتوں کے ساتھ تیار کرنا اور ان آلات سے متعلق افراد کی ان ہی خطوط پر تربیت کرنا جنگی اعداد (تیاری) کہلاتا ہے۔

اس کے علاوہ آلات حرب کی تیاری یا انتخاب میں مقاصد جنگ کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔

پس آلاتِ حرب کی تیاری اور انتخاب میں مندرجہ ذیل چار عوامل کا خیال رکھنا ضروری ہو گا:

1. مقصد جنگ
2. طریقہء جنگ (رعب، پیش بندی، برابری)
3. میدانِ جنگ (دعوتی، سیاسی، معاشی، عسکری)
4. جنگ کی سرگرمیاں (اقدام و دفاع)

ذیل میں ان چاروں عوامل کا آلات حرب کے ساتھ تعلق تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

آلات حرب اور مقصد جنگ

مقصد جنگ آلاتِ حرب کی تیاری اور انتخاب پر براہ راست اثر انداز ہوتا ہے۔ مثلاً اگر مجاہدین کی جنگ مسلم عوام پر مسلط مرتد حکمرانوں کے خلاف ہو یا ایک ظالم حکومت کا تختہ الٹنا ہو تو عسکری آلات کی نسبت سیاسی آلات کا استعمال زیادہ کیا جائے گا۔

مقصد جنگ سے ہی اس بات کا تعین ہوتا ہے کہ کس میدان کی جنگ یا کن آلاتِ جنگ کو کتنی اہمیت دی جائے اور کن آلات کے لیے دفاعی اور کن کے لیے اقدامی حکمت عملی اختیار کی جائے۔ اسی کی بنیاد پر دورانِ جنگ مطلوبہ آلات اختیار کیے جاتے ہیں۔ مقصد حرب، آلاتِ حرب اور حکمت عملی (اقدامی یا دفاعی) کے تعین کے بعد ہر میدان کی مناسبت سے 'آلاتِ میدان'[5] کا انتخاب ایک تکنیکی معاملہ ہوتا ہے جو ماہرین فن کے کرنے کا کام ہے۔ اس معاملے میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ کونسے طریقے، وسائل یا ہتھیار کس آلہ ء حرب کو اقدام اور دفاع یا ضرب، حرکت اور دفاع کی بنیادی صلاحیتوں سے لیس کر سکتے ہیں۔

آلاتِ حرب اور طریقہ ء جنگ

آلات حرب کے انتخاب میں طریقہ ء جنگ کی بہت اہمیت ہے۔ رعب کے طریقہ ء جنگ میں وہی آلات استعمال ہو سکتے ہیں جن میں یہ استعداد ہو کہ وہ دشمن کو اس حد تک خوفزدہ کر دیں کہ وہ اپنا ارادۂ جنگ ترک کر دے۔ اسی طرح پیش بندی کے طریقہ ء جنگ میں وہی آلات استعمال ہوں گے جن میں فوری اقدام کی صلاحیت ہو۔ جبکہ برابری کے طریقہ ء جنگ میں تمام آلات جنگ اپنی ایسی

---

[5] 'آلاتِ میدان' 'آلاتِ حرب' سے ایک فرق تصور ہے۔ آلاتِ حرب تو چار ہیں جن کا ذکر ہم اوپر کر چکے یعنی دعوتی، سیاسی، عسکری اور معاشی آلات۔ لیکن پھر ان میں سے ہر آلے کے ذیل میں عملی طور پر کچھ آلاتِ میدان استعمال ہوتے ہیں، مثلا عسکری آلہ ء حرب کے ذیل میں دورانِ جنگ کو کلاشن، پیکا، راکٹ استعمال ہوں وہ آلاتِ میدان ہیں۔ اسی طرح دعوتی آلہ ء حرب کے ذیل میں جو سی ڈی، ویب سائیٹ، کیسٹ، پمفلٹ استعمال ہو وہ دعوتی آلہ ء میدان ہے۔

ترتیب میں استعمال ہوں گے کہ وہ اقدام اور دفاع دونوں کرنے کے اہل ہوں۔ ذیل میں آلات حرب کے انتخاب پر تینوں اقسام کے طریقہ جنگ کا اثر تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

آلاتِ حرب اور رعب کی جنگ

دشمن کا ارادۂ جنگ ختم کرنے کے لئے دونوں جنگ کرنے والے فریقوں کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دشمن جنگ کئے بغیر ہی جنگ سے باز رہے اور ہماری بات مان جائے۔ مگر یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ صرف اس طرح ممکن ہے کہ کسی ایک فریق میں یہ صلاحیت موجود ہو کہ وہ دوسرے فریق کو یہ باور کرادے کہ وہ اس جنگ سے جو فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے اسے اس سے زیادہ نقصان ہو جائے گا۔ یہ صلاحیت رعب قائم کرنے کی صلاحیت کہلاتی ہے۔ رعب قائم کرنے کے لئے عام طور پر بات چیت یعنی سیاسی شعبے سے کام لیا جاتا ہے اور دشمن کو سیاسی طور پر اپنے حامیوں سے علیحدہ کیا جاتا ہے جو دشمن کے لیے سیاسی کمزوری کا باعث بنتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سماجی طور پر معاشرے میں دشمن کی حمایت ختم کردی جاتی ہے۔ اس میں دشمن کے مقاصدِ عظمیٰ اور جنگ کے اخلاقی پہلو کو غلط ثابت کیا جا تا ہے۔ تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ دشمن پر ایسی معاشی پابندیاں لگادی جاتیں ہیں جو اس کی درآمدات اور برآمدات پر اثر ڈالیں۔ چوتھے مرحلے پر اس کو ایسی عسکری قوت یا ہتھیار سے ڈرایا جاتا ہے جو اس کو ایک دم بہت زیادہ نقصان پہنچا سکتا ہو۔ پس رعب قائم کرنے کے لیے سیاسی، معاشی اور عسکری آلات اس انداز میں استعمال کیے جاتے ہیں جو دشمن کو جنگ سے پہلے ہی شکست کے خوف میں مبتلا کردیں۔

آلاتِ حرب اور پیش بندی کی جنگ

اگر رعب قائم کرنے کی صلاحیت کام نہ دکھا سکے تو عسکری قوت میں یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ جنگ میں پہل کرتے ہوئے دشمن پر پہلے ہی حملہ آور ہو جائے یا کوئی ایسی چال چلے جس سے دشمن کو اپنے مقاصد حاصل کرنے سے روک دیا جائے۔ اس صورتِ حال کو پیش بندی کی جنگ کہتے ہیں۔ ایسی صورت میں آلات حرب کو اقدامی انداز میں تیز رفتاری سے استعمال کیا جاتا ہے۔

آلاتِ حرب اور برابری کی جنگ

اگر جنگ کے آغاز سے پہلے دشمن بھی تیار ہے اور جنگ کے آغاز پر وہ بھی مقابلے کے لئے تیار ہو گیا ہے تو اس کو برابری کی جنگ کہتے ہیں۔ اس صورت میں طویل جنگ لڑنی پڑ سکتی ہے اسلیے آلات حرب کو اس انداز میں استعمال کرنا ہو گا جو طویل جنگ کے لیے کار آمد ہو۔ برابری کی جنگ میں تقریباً تمام ہی آلات حرب کو استعمال کرنا ہوتا ہے اور حالات کے مطابق مختلف آلات کو اقدامی یا دفاعی حکمت عملی کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔

آلاتِ حرب اور میدان جنگ

میدان جنگ کی نوعیت آلات حرب کی تنظیم و تشکیل پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہے۔ تمام آلات حرب اپنے متعلقہ میدان حرب میں ہی استعمال ہوتے ہیں لہٰذا آلہ حرب کی اس میدان سے مطابقت ضروری ہے۔ جنگ کے دوران مقصد جنگ کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر میدان میں جنگ لڑی جاتی ہے اور ہر میدان میں دشمن کے خلاف صف بندی کی جاتی ہے۔ ہر میدان کی صف بندی میں اقدام اور دفاع دونوں کی صلاحیت کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایک میدان کے آلات حرب دوسرے میدان میں استعمال نہیں ہو سکتے اگرچہ یہ ایک دوسرے کے معاون ہو سکتے ہیں۔ ذیل میں آلات حرب کے انتخاب پر چاروں اقسام کے میدان جنگ کا اثر تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

آلات حرب اور دعوتی میدان

جنگ میں ہر فریق اپنے مقاصد عظمیٰ کو حاصل کرنے کے لئے اور عوام کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے دعوتی میدان میں کام کرتے ہیں۔ ہر عسکری قوت دعوتی میدان میں کام کرنے کے لیے ایک دعوتی شعبہ قائم کرتی ہے جس کا مقصد دعوتی میدان میں جنگ لڑنا ہوتا ہے۔ پوری جنگ میں یہ شعبہ سب سے اہم ہے۔ یہ شعبہ ایک طرف تو دیگر شعبوں کی مدد کرتا ہے اور دوسری طرف سیاسی شعبہ کے ساتھ مل کر کئی مقاصدِ جنگ کو پورا کرتا ہے۔ اس شعبہ کا کام معاشرہ میں ہوتا ہے اس لیے معاشرہ سے حاصل ہونے والے بیشتر وسائل اسی شعبے کے توسط سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس شعبہ کے بعض اہم فوائد درج ذیل ہیں:

- افرادی قوت کی فراہمی
- وسائل کی فراہمی
- سیاسی اور دعوتی شعبوں کی مدد
- جنگ کی حمایت یا مخالفت کی تحریک چلانا
- گوریلا جنگ میں گوریلوں کو پناہ گاہ کی فراہمی

اس شعبے یا میدان کے ذیلی آلات مختلف ہیں۔ اس میں انفرادی ملاقاتیں، بیان، تقریریں، مناظرے، تصانیف، پمفلٹ، کتابچے، الیکٹرانک میڈیا میں فلمیں اور وڈیو بیانات وغیرہ شامل ہیں۔ دعوتی میدان کی کامیابی جنگ کی کامیابی کے لیے انتہائی اہم ہے۔

(مثالیں: تاتاریوں کا عسکری میدان میں غالب آنے کے باوجود دعوتی میدان میں شکست کھا کر مسلمان ہو جانا۔ نیز جنوب مشرقی ایشیا اور مغربی افریقہ میں اسلامی سلطنت کا بذریعہ دعوت پھیلنا)

آلاتِ حرب اور سیاسی میدان

سیاسی میدان میں کام کرنے والا عسکری قوت کا شعبہ سیاسی شعبہ کہلاتا ہے۔ سیاسی اور دعوتی شعبے کے کاموں میں کوئی اساسی فرق نہیں ہے۔ سیاسی شعبہ دعوت کو سیاسی انداز میں پیش کرنے کا ہی دوسرا نام ہے لیکن سیاسی شعبے کا انداز دعوتی شعبہ کے مقابلے میں جارحانہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ سیاسی شعبہ دعوتی شعبہ کے کام کو نتیجہ خیز بنانے اور اس سے مقاصد عظمیٰ کے حصول کی راہ ہموار کرنے کا کام کرتا ہے۔ سیاسی شعبے کا مقصد اپنے دشمنوں میں کمی اور حامیوں میں اضافہ کرنا اور حامیوں کو سیاسی طور پر ایک لائحہ عمل پر اکٹھا کرنا ہے۔ بعض اوقات سیاسی شعبہ اکیلا ہی دشمن کے ارادۂ جنگ کو ختم کر دیتا ہے۔ تاریخ میں بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ کوئی دشمن دوسرے پر حملہ آور ہو تو سیاسی شعبہ کسی دوسری طاقت کو اپنے ساتھ ملا لیتا ہے جس سے دشمن کے لڑنے کا حوصلہ ختم ہو جاتا ہے یا ایسا بھی ہوتا ہے کہ سیاسی شعبہ دشمن کے کسی ساتھی گروہ کو علیحدہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے جس سے دشمن کے لڑنے کا حوصلہ ختم ہو جاتا ہے۔

مثال: جنگِ خندق میں یہود اور مشرکین کے لشکر میں پھوٹ ڈالنے میں کامیابی۔ نیز فصلوں کا کچھ حصہ دے کر بنو غطفان کو علیحدہ کرنے کی کوشش۔ اسی طرح ابو طالب کی شخصیت نے نبیء کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سیاسی دفاع کا کام کیا۔ جبکہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اسلام کی طرف راغب کرنے کی سعی ایک سیاسی پہلو بھی رکھتی تھی کیونکہ آپ کا اسلام آپ کے قبیلے کے اسلام کا ذریعہ ہو سکتا تھا، اور عملاً بھی ایسا ہی ہوا۔

آلاتِ حرب اور معاشی میدان

زمانہء قدیم سے ہی جنگ کرنے والا ہر فریق اپنے معاشی نظام کی حفاظت اور دشمن کے معاشی نظام کی تباہی کو اپنی اولین ترجیح سمجھتا ہے۔ جدید جنگ میں معاشی شعبہ بے حد اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ مغرب معاشی پابندیاں لگانے سمیت کئی دیگر اسالیب اختیار کرتے ہوئے اس شعبے کو باقاعدہ ایک عسکری آلے کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ معاشی ہتھیار کو مندرجہ ذیل طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے:

- کمپنیوں کو اس بات سے روک دیا جاتا ہے کہ وہ دشمن کو اشیائے ضرورت فراہم کریں۔
- بینکوں کو سرمایہ کی فراہمی سے روک دیا جاتا ہے۔
- کرنسی کی قیمت کم کر کے مہنگائی میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔
- اپنے دوست ملکوں کی کرنسی کو مصنوعی طریقے سے مستحکم کر کے اسے مضبوط کیا جانا۔
- ملک کی طرف بحری، بری اور فضائی راستوں سے اشیاء کی درآمدات کو روک دیا جاتا ہے۔
- ملک کی بحری بری اور فضائی راستوں سے برآمدات کو روک دیا جاتا ہے۔

کفارِ مکہ کا نبی کریم صلی اللہ وعلیہ وسلم کو شعب ابی طالب میں محصور کرنا اور اجتماعی قطعِ تعلق نافذ کرنا کا ایک معاشی حربہ تھا۔ عراق پر امریکی پابندیاں بھی اسی کی مثال ہیں۔ غزہ کے مسلمانوں کا اسرائیل کی طرف سے معاشی محاصرہ، سربیا کے بوسنیا کے حملے کے موقع پر بوسنیا کے مسلمانوں تک ہتھیار پہنچنے پر پابندیاں، افغانستان کی ڈوبتی معیشت کو مصنوعی طور پر کھڑا رکھنے کی امریکی سعی، سب معاشی حربوں کی مثالیں ہیں۔

آلاتِ حرب اور عسکری میدان

جنگ کا عسکری شعبہ وہ ہے جو دشمن سے مسلح تصادم کرتا ہے۔اس شعبے کا مقصد یہ ہے کہ دشمن کے علاقے پر قبضہ کر لے یا دشمن کو اتنا نقصان پہنچا دے کہ وہ اپنا جنگ کا ارادہ ملتوی کر دے۔اس کام کے لئے عسکری شعبے کو ایسی صلاحیت درکار ہوتی ہے کہ وہ دشمن کی عسکری صفوں میں داخل ہو سکے اور دشمن کے حملوں کے خلاف دفاع کر سکے۔ زمانہ قدیم سے لے کر زمانہ جدید تک عسکری ترتیب دو حصوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ایک حصہ جنگ کرنے والا اور دوسرا حصہ جنگ میں مدد کرنے والا۔ جنگ کرنے والا حصہ پیادہ (انفنٹری)، گھڑ سوار دستوں (کیولری) اور توپ خانے (آرٹلری) پر مشتمل ہوتا ہے۔ زمانہ جدید میں پیادہ دستے دو حصوں میں ہوتے ہیں۔ بکتر بند پیادہ دستے اور غیر بکتر بند پیادہ دستے۔ پیادہ دستوں کا کام قبضہ کرنا اور جگہ کا کنڑول سنبھالنا ہوتا ہے۔ جدید زمانے میں گھڑ سوار دستوں کی جگہ ٹینکوں نے لے لی ہے۔ گھڑ سوار دستوں اور ٹینکوں کا کام دشمن کی صفوں میں گھس جانا ہے اور پیادہ دستوں کی مدد کرنا ہے۔ توپخانے کا کام دشمن کی صفوں پر بمباری کر کے اسے اتنا نقصان پہنچانا کہ پیادہ دستے اور ٹینک دشمن کی صفوں میں گھس سکیں۔ جنگ میں مدد کرنے والے شعبوں میں رسد پہنچانے والے شعبے کا کام لڑنے والی قوت کو کھانا پینا اور اسلحہ پہنچانا ہوتا ہے۔ جب کہ مواصلات کے شعبے کا کام لڑنے والی قیادت کا اپنی مرکزی قیادت سے رابطہ بحال رکھنا ہوتا ہے۔ جاسوسی کے شعبے کا کام دشمن کی نقل و حرکت اور چالوں سے باخبر رکھنا ہوتا ہے۔ انجینئروں کا مقصد سڑکیں، پل اور رکاوٹیں کھڑی کرنا ہوتا ہے جب کہ طب کا کام زخمیوں کا علاج کرنا ہوتا ہے۔ عسکری آلہء جنگ کا استعمال بھی طریقہء جنگ اور حکمت عملی کی مناسبت سے کیا جاتا ہے۔

آلاتِ حرب اور جنگ کی سرگرمیاں

کوئی بھی جنگ جب شروع ہو جائے تو اس میں دو بنیادی سرگرمیاں مستقل جاری رہتی ہیں یہاں تک کہ کوئی ایک فریق مقاصد عظمیٰ کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ یہ دو سرگرمیاں درج ذیل ہیں:

- اقدام

○ دفاع

ہر قسم کے آلاتِ جنگ کے اندر یہ دونوں صلاحیتیں ہونی چاہیے ہیں۔ کسی آلہ ء جنگ کو ان دونوں صلاحیتوں کے بغیر جنگ میں استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ نیز آلاتِ میدان کا انتخاب بھی اس طرح کیا جاتاہے کہ ہر آلہ ء جنگ دفاع اور اقدام کی صلاحیتوں سے لیس ہو جائے۔

بابِ رابع (۴)

اصولِ حرب

تعارف

زمانہ قدیم سے جنگ کچھ نہ تبدیل ہونے والے اصولوں کے مطابق لڑی جاتی ہے جنہیں اصول جنگ کہتے ہیں۔ اصول جنگ وہ اصول ہیں کہ جن کو نظر انداز کرنا کسی عسکری کمانڈر کے لئے ممکن نہیں۔ دور جدید میں ٹیکنولوجی کی ترقی کی وجہ سے آلات جنگ اور طریقہ جنگ میں بہت سی تبدیلیاں واقعہ ہوئیں مگر اصول جنگ میں کوئی تبدیلیاں نہیں ہو سکیں۔ جنگی ماہرین جب بھی کسی جنگ کا تجزیہ کرتے ہیں یا کسی جرنیل کی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ یہ تجزیہ اصول جنگ کی روشنی میں کرتے ہیں۔ ذیل میں اصول جنگ کے اہم نکات بیان کیے گئے ہیں۔

1. مقصد جنگ کا تعین اور اس پر دوام
2. مقاصد کے حصول تک ارادہ جنگ پر استقامت
3. متحرک ہونے کی صلاحیت
4. اقدامی قدم اٹھانے کی صلاحیت
5. ناگہانی حملے کی صلاحیت
6. امنیت
7. عسکری قوت کا اجتماع
8. عسکری جدوجہد میں اقتصاد اور اعتدال
9. لچک

10. تعاون
11. جنگ کی ادارتِ عمومی [6]

مقصدِ جنگ کا تعین اور اس پر دوام

جنگ مقاصد کو حاصل کرنے کا ایک پیچیدہ نظام ہے۔ مقاصد عظمیٰ جن کے حصول کے لئے جنگ شروع کی گئی تھی وہ عسکری مقاصد جنگ کے ساتھ باہم کیسے مربوط کیے جائیں؟ مقاصد عظمیٰ تو ہمارے وہ نظریاتی اہداف ہیں یا وہ جائز حقوق ہیں جن پر دشمن کے ساتھ ہمارا تنازعہ ہے۔ یہ تنازعہ جنگ میں بدل جائے تو عسکری مقصد دشمن کے ارادۂ جنگ کو ختم کرنا ہے۔ جب کہ جنگ کے دوران کسی کارروائی میں عسکری قوت لگانے کا مقصد کسی جگہ پر قبضہ یا دشمن کو جانی نقصان پہنچانا یا اس کے حملے سے دفاع یا دشمن کو دفاع پر مجبور کرنا وغیرہ ہوتا ہے۔ ایسی صورتحال میں اس بات کا خدشہ موجود ہوتا ہے کہ عسکری قائد کا ذہن اپنے مقاصد عظمیٰ کے حصول سے ہٹ جائے اور اس کا ذہن کسی مورچے پر قبضے یا دشمن کے کسی بازو کو جانی نقصان پہنچانے میں ایسا مگن ہو جائے کہ اس سے اعلیٰ تر اہداف جن پر تنازعے سے جنگ شروع ہوئی تھی وہ بالکل فراموش کر دے اور لاشعوراً جنگ کو کسی اور سمت میں لے جائے۔

مقاصد کی مختلف سطحوں کے اس پیچیدہ تعلق کو ہم ایک مثال سے واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک عسکری قائد کا مقصد یہ ہے کہ وہ ایک ایسا صندوق حاصل کر لے جس میں کوہ نور ہیرا پڑا ہوا ہے۔ مگر یہ صندوق ایک دشوار گزار پہاڑی پر ایک غار میں موجود ہے۔ اس غار کی حفاظت ایک دشمن کر رہا ہے۔ نیز ایک اور دشمن بھی اس ہیرے کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس غار کی راہ میں جنگل ہیں، دریا ہیں پہاڑ ہیں۔ راستے کی رکاوٹوں کو عبور کرنا ہے پھر دشمن کو غار تک آنے سے باز رکھنا ہے اور ہیرے کی حفاظت کرنے والے دشمن کو ہٹا کر اس ہیرے پر قابو پانا ہے۔ اس مثال میں اگر ایک فوج راستوں کی تمام مشکلات کو عبور کرتے ہوئے

---

[6] 'ادارتِ عمومی' کی اصطلاح انگریزی اصطلاح 'جنرل ایڈمنسٹریشن' کے متبادل کے طور پر استعمال کی گئی ہے۔

دشمن کو شکست دے دے مگر اسی دوران کوہ نور ہیرا ٹوٹ جائے یا جل جائے یا فوج اس کو حاصل ہی نہ کر سکے تو ایسی فوج کو عسکری اعتبار سے کامیاب نہیں کہا جائے گا۔

مقاصد کے حصول تک ارادۂ جنگ پر استقامت

جنگ کا دوسرا سب سے اہم اصول یہ ہے کہ عسکری قوت کا ارادۂ جنگ آخر وقت تک قائم رہے۔ جیسا کہ ہم اوپر اس موضوع پر بحث کر چکے ہیں کہ عسکری قوت کا ارادۂ جنگ وہ حوصلہ ہے جو اسے میدان جنگ میں لڑنے پر مجبور کرتا ہے۔ اگر یہ حوصلہ ختم ہو جائے تو عسکری قوت باوجود اسلحے اور افرادی قوت کی موجودگی کے جنگ ہار دیتی ہے۔ اس لئے میدان جنگ میں عسکری قوت کا حوصلہ قائم رکھنا اہم اصول حرب میں سے ہے۔

ارادۂ جنگ کو قائم رکھنے کے لئے مندرجہ ذیل چیزیں ضروری ہیں:

- ایمانِ راسخ
- مقاصد عظمیٰ پر یکسوئی
- عسکری مقاصد کا فہم
- نظم وضبط
- آپس میں محبت
- قیادت پر اعتماد

متحرک ہونے کی صلاحیت

عسکری قوت میں متحرک ہونے کی صلاحیت کا موجود ہونا حرب کا ایک اہم اصول ہے۔ کسی بھی عسکری قوت کی یہ صلاحیت کہ وہ جنگ اور امن میں اپنی پوزیشن کو حالات کے مطابق بدل سکتی ہو، اسے متحرک ہونے کی صلاحیت کہتے ہیں۔ جنگ کے ذیل میں کی جانے والی حرکت کو دو طریقوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔

- اصولی حرکت
- عملی حرکت

اصولی حرکت

حرب کے ذیل میں کام کی سطح کے اعتبار سے حرکت کو اصولی حرکت کہا جاتا ہے۔ نظامی فوجوں کے لیے اس کی عموماً تین سطحیں ہوتی ہیں۔ آج کی جدید عسکری ترتیب میں اگر فوج کی کور کو متحرک کیا جائے تو اسے اصولی سطح کی حرکت (یا سٹریٹجک حرکت) کہتے ہیں۔ ڈویژن سے بریگیڈ تک عملیاتی سطح کی حرکت (یا آپریشنل حرکت) کہلاتی ہے اور بٹالین سے پلاٹون تک کی حرکت کو تنفیذی سطح کی حرکت (یا ٹیکٹیکل حرکت) کہتے ہیں۔

عملی حرکت

عملی حرکت تین طرح سے کی جاتی ہے:

- انجن کے بغیر حرکت
- انجن کے ساتھ حرکت
- زرہ بکتر اور بکتر بند میں حرکت

انجن کے بغیر حرکت

زمانہ قدیم سے انسان حرکت کرنے کے لئے یا تو اپنے پاؤں پر انحصار کرتا ہے یا ان وسائل پر جو کہ سواری کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ ان وسائل میں گدھے، گھوڑے، اونٹ اور بادبانی جہاز وغیرہ شامل ہیں۔ اس قسم کی حرکت کی صلاحیت ان جانوروں کی نسل، ان کی دستیابی، ان کی صحت، ان کی وزن اٹھانے کی صلاحیت اور ان کی رفتار پر منحصر ہوتی ہے۔ آج بھی دشوار گزار راستوں، پہاڑوں اور صحراؤں میں جہاں انجن والی گاڑیاں نہیں جا سکتیں وہاں پر انہی جانوروں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ حدیثِ نبوی ﷺ کے مطابق گھوڑے کی پیشانی میں قیامت تک کے لیے خیر رکھ دی گئی ہے جس میں اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ ان جانوروں کا عسکری استعمال ہمیشہ جاری رہے گا۔

انجن کے ساتھ حرکت

انجن کی دریافت نے ذرائع آمدورفت میں انقلاب برپا کردیا۔ انجن کے ساتھ حرکت کرنے کے وسائل میں موٹرسائیکل، گاڑی، ٹرک، ریل، ہوائی جہاز اور بحری جہاز وغیرہ شامل ہیں۔ انجن کی دریافت نے متحرک ہونے کی صلاحیت پر دو طرح کے اثرات مرتب کئے: ایک تو بہت بڑی تعداد میں افراد اور سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کی صلاحیت پیدا کردی، دوسرا اس سے حرکت کی رفتار میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ یوں فوجوں کو اپنے سامان اور اسلحہ سمیت ایک جگہ سے دوسری جگہ بہت کم وقت میں منتقل کیا جانے لگا۔ یہ عسکری اعتبار سے ایک انقلابی تبدیلی تھی جس نے جنگ کا نقشہ بدل کرر کھ دیا۔

زرہ بکتر اور بکتر بند میں حرکت

زمانہء قدیم سے ہی انسان گھوڑوں پر جنگ کے لئے نکلتا تھا۔ جنگ کے دوران اپنے اور گھوڑوں کے جسم کے نازک حصوں کو دشمن کے تیروں اور نیزوں سے بچانے کے لئے ان پر لوہے کی زنجیروں یا پلیٹوں کا استعمال کیا جاتا تھا جس کو زرہ بکتر کہا جاتا تھا۔ زرہ بکتر سے مسلح گھڑ سوار دستہ کیولری (گھڑ سوار بکتر بند دستہ) کہلاتا تھا اور اگر اس دستے کے ساتھ نیزہ بھی ہوتا تو اس کو نیزہ باز دستہ یا انگریزی میں لانسر کہا جاتا تھا۔ یورپ میں ۱۸۴۵ء میں صنعتی انقلاب آیا تو جہاں تمام میدانوں میں ترقی ہوئی وہاں عسکری میدان میں بھی بے پناہ ترقی ہوئی۔ رائفل اور مشین گن نے قوتِ ضرب میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ اس قوتِ ضرب کا واضح مظاہرہ پہلی جنگ عظیم میں ہوا جہاں رائفل، مشین گن اور توپ خانے نے یورپ کی افواج کے لئے حرکت کرنا ناممکن بنا دیا۔ نتیجتاً جرمن اور اتحادی افواج اپنے مورچوں میں بند ہو کر رہ گئیں۔ اس جمود کو توڑنے کے لئے ٹینک بنایا گیا۔ ٹینک کی دریافت جدید جنگ میں ایک سنگ میل ثابت ہوئی اور قدیم جنگ میں حرکت کے لئے جو کام بکتر بند اور نیزہ باز دستے کرتے تھے اب ٹینک کرنے لگے۔ اسی لئے ٹینکوں کی جدید ترتیبوں کو انہی قدیم ناموں سے یاد کیا جاتا ہے یعنی نیزہ باز دستے یا لانسر اور بکتر بند دستے یا کیولری وغیرہ۔

اقدامی قدم اٹھانے کی صلاحیت

عسکری اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ جنگ کے دوران عسکری قوت میں یہ صلاحیت موجود ہونی چاہیے کہ وہ جنگ کے فیصلہ کن لمحے میں اپنی محفوظ فوج کو ایک دم میدان جنگ میں اتار سکے تاکہ جنگ کا فیصلہ اس کے حق میں ہو سکے یا تاکہ اپنی عسکری قوت کو محفوظ کیا جا سکے۔ اس صلاحیت کو اقدامی قدم اٹھانے کی صلاحیت کہتے ہیں۔ اقدامی قدم قائد کے ایسے فیصلے اور ذہنی کیفیت کا نام ہے جو یا تو اس کے زیرِ کمان موجود عسکری قوت کو ایسی جگہ لے آئے جہاں سے فتح ممکن ہو یا اس عسکری قوت کو خطرے سے محفوظ کر سکے۔ اقدامی قدم کی صلاحیت حاصل کرنے کے لئے قائد کا حالات کو سمجھنا، عسکری قوت کو ایسی جگہ پر پہنچانا جہاں سے اسے بوقت ضرورت استعمال کیا جا سکے اور جنگ میں اقدام کرنے کے ٹھیک لمحے کا تعین کرنا ضروری ہے۔

ناگہانی حملے کی صلاحیت

جنگ کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ عسکری قوت میں یہ صلاحیت موجود ہونی چاہیے کہ وہ دوران جنگ ایک ایسا اچانک اور فیصلہ کن قدم اٹھا سکتی ہو جس کی فریقِ مخالف کو توقع نہ ہو۔ اس صلاحیت کو حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ جو فریق ناگہانی حملہ کرنا چاہتا ہے وہ فریقِ مخالف کی قیادت سے اپنی اصل نیت چھپائے رکھنے اور اسے مکمل چکمہ دینے میں کامیاب ہو جائے تاکہ اس فریق کا وار واقعی ناگہانی اور فیصلہ کن ثابت ہو۔ مثلاً فریقِ مخالف کی قیادت کو چکمہ دے کر اس سے بالکل غلط فیصلہ کروا لیا جائے اور وہ اپنی فوج کو وہاں لے آئے جہاں اسے نہیں لانا چاہیے تھا۔ یوں غلط جگہ فوج لانے سے اس فریق کے قائد کو یہ موقع مل جائے کہ وہ فریقِ مخالف پر اچانک وار کر کے اسے اتنا نقصان پہنچا دے کہ جنگ کا فیصلہ ہو جائے۔ ناگہانی حملے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی فوج ایسا فیصلہ کن ہتھیار بنا لے جو اس سے قبل کسی جنگ میں استعمال نہ ہوا ہو اور فریقِ مخالف سے اس امر کو یوں مخفی رکھے کہ جب وہ ہتھیار استعمال کیا جائے تو فریقِ مخالف اس کے سامنے کے لیے بالکل تیار نہ ہو۔ نیز یہ تبھی ممکن ہے جب اس ہتھیار میں یہ صلاحیت موجود ہو کہ وہ کم سے کم قوت لگا کر دشمن کا اتنا نقصان کر دے جسے جلد پورا کرنا دوسرے فریق کے لئے ناممکن ہو۔ مثال کے طور پر امریکہ کا جاپان کے خلاف ایٹم بم کا استعمال۔

ناگہانی حملے کی مختلف سطحیں:

- اصولی
- عملیاتی
- تنفیذی

ناگہانی حملہ کرنے کی صلاحیت کسی بھی فوج کی ایک اہم صلاحیت ہے لیکن یہ اسی صورت میں حاصل ہوسکتی ہے جب اس کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔ ناگہانی حملے کی صلاحیت حاصل کرنے کے مندرجہ ذیل عناصر ہیں:

- حالات کے مطابق منصوبہ بندی
- منصوبے کا آخری لمحے تک راز میں رہنا
- شجاعت اور بہادری
- منصوبے کی تنفیذ کی رفتار

امنیت

حفاظت اور رازداری کے ساتھ عسکری کام کی تکمیل امنیت کہلاتی ہے، جیسا کہ حدیثِ مبارکہ میں حکم ہے کہ (اپنی حاجتوں کی تکمیل میں رازداری سے کام لو)۔ امنیت خود ایک مکمل علم ہے اور میدانِ جنگ کے اعتبار سے امنیت کا انداز بھی بدلتا ہے۔ مثلاً شہری جنگ کے اندر کسی اور طرح کی امنیت درکار ہوتی ہے اور پہاڑوں اور جنگلوں کی جنگ میں کسی اور طرح کی۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر اس کے ماہرین سے دورہ جات کروا کر اپنے افراد میں اعلیٰ امنیاتی حس پیدا کرنا عسکری قوت کی کامیابی کے لیے نہایت اہم ہے۔

عسکری قوت کا اجتماع [مرکوز استعمال]

اصول حرب میں سے ایک اصول یہ ہے کہ عسکری قوت کو جنگ میں اپنے مضبوط حصے سے دشمن کی کمزور جگہ پر وار کرنا چاہیے۔ یہ صلاحیت جب ہی آسکتی ہے جب ایک قائد اپنی قوت کو منتشر طریقے

سے استعمال کرنے کی بجائے اسے دشمن کی کمزوری پر مرکوز کر کے استعمال کرے۔ نیز اس کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ اسے دوسرے فریق کی مضبوطی اور کمزوری کا اچھا علم ہو۔

عسکری جدوجہد میں اقتصاد اور اعتدال

وہی فوج ایک مضبوط اور متوازن قوت بن سکتی ہے جس کی تشکیل کو حالات اور چیلنجوں سے ہم آہنگ کیا جائے اور اس کی تطبیق قوت جنگ کے مختلف ادوار کو سمجھ کر کی جائے۔ پس عسکری قوت ہر اعتبار سے متوازن ہونی چاہیے۔ اس کی تشکیل، تطبیق اور تنفیذ سبھی میں توازن اصول حرب کا اہم حصہ ہے۔

لچک

جنگ ایک مستقل بدلتی اور اچانک موڑ کاٹتی فطرت رکھتی ہے۔ اسی لیے جنگ کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ عسکری قوت میں یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ جنگ کی اس متحرک فطرت سے مکمل ہم آہنگ ہو۔ جنگ کی متحرک فطرت کی وجہ سے جنگ کے مراحل تیزی سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ان مراحل کے تبدیل ہونے سے عسکری چیلنج بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے عسکری قوت میں بھی اتنی صلاحیت موجود ہونی چاہیے کہ وہ اس تبدیل ہوتی صورت حال سے نمٹ سکے اور بدلتے حالات کے مطابق خود کو ڈھال سکے۔ اسی صلاحیت کو لچک کہتے ہیں۔ ایک جامد عسکری قوت جو ایک ہی نہج پر چلتی چلی جائے اور مراحل و چیلنج تبدیل ہونے کے باوجود بھی خود میں کوئی تبدیلی نہ لا سکے، عالمِ اسباب میں اس کی کامیابی مشکل ہے، الا ان یشاء اللہ۔

باہمی تعاون

جنگ کے مختلف شعبے ہیں۔ ہم نے جنگ کے ان شعبوں کا ذکر اوپر آلات حرب کے باب میں کیا ہے یعنی دعوتی، سیاسی، عسکری اور اعلامی شعبے۔ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ عسکری قوت کے ان تمام شعبوں کا باہم ربط مضبوط ہو اور سب علیحدہ علیحدہ سمتوں میں کام کرنے کی بجائے مل کر ایک ہی سمت میں باہم ہم آہنگی سے آگے بڑھیں۔ اسی صلاحیت کو باہمی تعاون کہتے ہیں جو جنگ کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے۔

جنگ کی ادارتِ عمومی

جنگ ایک اجتماعی عمل ہے جسے کسی نتیجے تک پہنچانے کے لیے اللہ کی توفیق کے بعد حسنِ انتظام بھی درکار ہے۔ منتشر غیر مرتب کام نہ تو اس دین کا مزاج ہے اور نہ ہی اسباب کی دنیا میں ایسے غیر منظم ریوڑ کو جنگ میں فتح مل سکتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کو یہ بات محبوب ہے کہ اس کا بندہ جب کوئی کام کرے تو اتقان (یا پورے اہتمام) کے ساتھ کرے''۔ اسی لیے لازم ہے کہ جنگ کے اندر اداریاتی (انتظامی) پہلو مضبوط ہو اور میسر مادی وسائل، مالی وسائل اور افرادی وسائل کو منظم انداز سے درست وقت اور درست جگہ پر استعمال کیا جائے۔ یہ انتظامی فن بھی ایک مستقل باب ہے جس پر علیحدہ سے تربیت لینے اور مجاہدین کی ان صلاحیتوں کو نکھارنے اور ابھارنے کی ضرورت ہے۔

بابِ خامس (۵)

اقسام حرب

تعارف

پچھلے ابواب میں جنگ کی پیدائش اور اس کے مختلف پہلوؤں کو تفصیلاً بیان کیا جاچکا ہے۔ جنگ کے مختلف پہلوؤں کے اعتبار سے جنگ کو مختلف بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جو حسب ذیل ہیں:

1. اقسام جنگ باعتبار تنازعہ
2. اقسام جنگ باعتبار فریق (گروہ)
3. اقسام جنگ باعتبار مادی پہلو
4. اقسام جنگ باعتبار طریقہ ءجنگ

ذیل میں جنگوں کی اس تقسیم کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

اقسام جنگ باعتبار تنازعہ

وجہ تنازعہ کے اعتبار سے جنگ کو مندرجہ ذیل بڑی قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

- نظریاتی (عقائدی)
- معاشی
- جغرافیائی وغیرہ۔

ان تمام کی تفصیل باب ثانی ''حرب کا تعارف'' میں تنازعہ کے ذیل میں بیان کی جاچکی ہے۔

اقسام جنگ باعتبار فریق

جنگ میں ملوث فریقوں کے اعتبار سے جنگ کو مندرجہ ذیل بڑی قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- انفرادی
- قبائلی
- قومی (مذہبی)
- ریاستی

ان تمام کی تفصیل بھی باب ثانی "حرب کا تعارف" میں تنازعہ کے ذیل میں بیان کی جاچکی ہے۔

اقسام جنگ باعتبار مادی پہلو

جنگ کے مادی پہلو کے اعتبار سے جنگ کو مندرجہ ذیل بڑی قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- پہاڑوں کی جنگ
- میدانی علاقے کی جنگ
- صحرائی جنگ
- بحری جنگ
- فضائی جنگ

ان تمام کی تفصیل باب ثالث میں "جہات حرب" میں جنگ کے مادی پہلو کے عنوان تلے بیان کی جاچکی ہے۔

اقسام جنگ باعتبار طریقہء جنگ (تنظیمِ حرب)

طریقہ جنگ کے اعتبار سے جنگ کو مندرجہ ذیل بڑی قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- چالبازی کی جنگ

- تباہی کی جنگ
- گوریلا جنگ
- کمانڈ اور کنٹرول کی جنگ
- سائبر جنگ

ان تمام کی تفصیل نصاب کے دوسرے حصے "تنظیم حرب" میں بیان کی جائے گی ان شاءاللہ۔

باب سادس (۶)

اختتامِ حرب

تفہیم حرب کا آخری موضوع اختتام حرب ہے۔ یہ موضوع جنگ کے آخری مرحلے کے ساتھ بحث کرتا ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جنگ کا اختتام ایک فریق کی فتح اور دوسرے کی شکست پر ہوتا ہے۔ مگر اختتام جنگ اس سے بہت زیادہ پیچیدہ اور ماہرین حرب اور مورخین کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ جنگوں کی تاریخ کے مطالعہ سے علم ہوتا ہے کہ بہت کم جنگیں ایسی ہیں جن کے بارے باآسانی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک فریق کو مکمل شکست ہوگئی اور دوسرے فریق کو مکمل فتح حاصل ہوگئی۔ صحابہ ء کرامؓ کی روم اور فارس کی جنگوں کو باآسانی مکمل فتح کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ فتوحات مکمل اور مستحکم تھیں۔ ایک دفعہ عراق، ایران، شام پر قبضے کے بعد یہ علاقے صدیوں تک کبھی بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نہ نکلے۔ مگر اس کے برعکس تاریخ میں بے شمار جنگیں ایسی ہیں کہ جن کے بارے میں یہ تعین کرنا بہت مشکل ہے کہ کس فریق کو فتح ہوئی اور کس فریق کو شکست ہوئی۔ بہت سی صورتوں میں ایک فریق نے ظاہری فتح حاصل کرلی مگر وہ اس کو زیادہ دیر برقرار نہ رکھ سکا اور پھر وہ علاقہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ رومیوں نے صحابہؓ کرامؓ کے خلاف جنگ میں بہت سے علاقے دوبارہ فتح کئے مگر مسلمانوں نے بہت کم وقت میں واپس چھین لیے۔ اس لئے ان جنگوں میں انھیں فاتح قرار دینا بہت مشکل ہے۔ جنگ احد میں جب مسلمانوں نے مشرکین کو شکست دے کر بھگادیا مگر حضرت خالد بن ولیدؓ (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) کی ایک جنگی چال کی وجہ سے مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ اب فن حرب کی روشنی میں کیا جنگ احد مسلمانوں کی شکست تھی یا

ایک جنگ کچھ نقصان کے بعد نامکمل ختم ہوگئی۔اس معرکے کو احد کے دن کے حساب سے دیکھیں گے تو کہا جاسکتا ہے کہ مشرکین مسلمانوں کو اس دن کافی نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوگئے۔ مگر کیا وہ اسلام کی دعوت کو ختم کرسکے جو کہ ان کا بنیادی مقصد تھا تو اس کا جواب نفی میں ہے۔ پھر اس جنگ کو مشرکین اور مسلمانوں کی دس سالہ جنگ کے تسلسل میں دیکھا جائے تو یہ محض ایک معرکہ تھا جس میں مسلمانوں کا کچھ نقصان ضرور ہوا مگر شکست نہیں ہوئی۔ جہاں تک کفر اور اسلام کی جنگ ہے تو یہ کہا جائے گا کہ بدر، احد، خندق ایک بڑی جنگ کے مختلف معرکے تھے جن کا آخری معرکہ فتح مکہ تھا جس میں اس جنگ کا اختتام مسلمانوں کی مکمل فتح پر ہوا۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی جنگ کے اختتام کو ظاہری کامیابی یا دشمن کے جانی اور مالی نقصان کی بنیاد پر فتح اور شکست نہیں کہا جاسکتا۔اسی طرح تاریخ میں کئی ایسی جنگیں ہیں جو بعض اوقات صدیوں نہیں تو سالوں چلیں۔ان جنگوں میں فریقین کا بے شمار نقصان ہوا مگر کوئی فریق بھی فاتح اور مفتوح نہ قرار پایا۔اسی طرح کئی جنگیں ایسی بھی ہیں جن میں بظاہر تو فتح ہوگئی مگر اس جنگ کے دیگر نتائج نے شکست سے دوچار کردیا۔اس کی سب سے بڑی مثال دوسری جنگ عظیم تھی۔اس جنگ میں برطانیہ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل تھی۔اس نے ہٹلر کے خلاف پورے یورپ کی مدد کی اور ہٹلر کو ہرانے کے مقصد میں وہ کامیاب بھی ہوگیا مگر اس جنگ کا معاشی نتیجہ یہ نکلا کہ برطانیہ جو جنگ سے پہلے ایک سپر طاقت تھا اور آدھی دنیا پر حکمران تھا، جنگ کے بعد ایسا قلاش ہوا کہ اس کی سامراجی حکومت مکمل طور پر ختم ہوگئی۔ تو پھر اس جنگ میں کون جیتا؟ درحقیقت اس جنگ میں جرمنی اور برطانیہ دونوں ہی شکست کھا گئے اور امریکہ اور روس جیت گئے کیونکہ وہی اس کے بعد دنیا کی دو مرکزی طاقتوں کے طور پہ ابھرے۔

اسی لیے فن حرب کے ماہرین اور مورخین نے فتح اور شکست کو ناپنے کا ایک پیمانہ رکھا ہے اور وہ ہے جنگ کا مقصدی تجزیہ۔ جنگ کے مقصدی تجزیے سے مراد یہ ہے کہ جنگ کے بعد یہ دیکھا جائے کہ فریقین کے مقاصد عظمیٰ کیا تھے؟ پھر یہ دیکھا جائے کہ کہ جنگ میں ان مقاصد عظمیٰ کو حاصل کرنے کے لئے کیا مقصد جنگ رکھا گیا؟ پھر ہر محاذ کے مقاصد کا تعین کیا جائے گا۔ پھر یہ دیکھا جائے گا کہ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے ہر محاذ نے کیا کیا؟ کیا ہر محاذ کے مجموعی اثرات نے مقاصد

جنگ حاصل کرنے میں مدد دی یا نہیں؟ ماہرین اور مورخین کے نزدیک یہ بات متفق علیہ ہے کہ جنگ کا اصولی مقصد یہ ہوتا ہے کہ دشمن کا ارادۂ جنگ توڑ کر اسے مجبور کیا جائے کہ وہ فاتح کے مقاصد عظمیٰ کو مان لے۔ پس اگر یہ اصولی مقصد حاصل نہیں ہوا تو فتح نہیں ہوئی۔ اگر دشمن جنگ کے ارادے سے باز آ گیا، مگر نہ تو اپنے مقاصدِ عظمیٰ سے دستبردار ہوا اور نہ ہی مدِ مقابل کے مقاصدِ عظمیٰ کو تسلیم کیا تو ایسی فتح جزوی فتح ہی کہلائی گی۔ چونکہ جنگ کا اختتام مختلف صورتوں میں ہو سکتا ہے اس لیے ماہرین اور مورخین اختتامِ جنگ کے حوالے سے مندرجہ ذیل موضوعات پر بحث کرتے ہیں:

- فتح
- شکست
- برابری
- پسپائی
- بے نتیجہ جنگ
- ایک جنگ کے بعد دوسری جنگ
- معاہدہ

فتح

جنگ کا اختتام کسی ایک فریق کی فتح کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے۔ فتح کی دو ممکنہ شکلیں ہیں، مکمل فتح اور جزوی فتح۔ جیسے کہ پہلے بیان ہوا، ماہرین حرب کے نزدیک مکمل فتح یہ ہے کہ جنگ میں دشمن کا ارادۂ جنگ ختم کر کے اسے فاتح کے مقاصد عظمیٰ کو ماننے پر مجبور کر دیا جائے۔ مکمل فتح عام طور پر ایک فریق کا دوسرے فریق پر حملہ کر کے اس کے علاقے پر قبضہ کرنے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہی مقصد ایک گولی بھی چلائے بغیر ہی حاصل ہو جائے تو یہ اس فتح کی بہترین صورت ہو گی۔ مکمل فتح کی مثال مسلمانوں کی مشرکینِ مکہ پر فتح، صحابہ ءکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روم اور فارس کی فتوحات، مجاہدین کی روس کے خلاف فتح وغیرہ شامل ہیں۔ صحابہ ء کرامؓ کی بے شمار فتوحات ایسی ہیں جن میں ایک تیر چلائے بغیر ہی مسلمانوں نے فتح حاصل کی۔ فتح مکہ بھی تقریباً اسی

کی مثال ہے۔ صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی یروشلم کی فتح بھی مکمل فتح کی مثال ہے۔ سلطان بیبرس کی پورے فلسطین کی فتح بھی مکمل فتح کی مثال ہے۔ سی طرح ۱۸۳۹ء میں برطانیہ کے خلاف پہلی افغان جنگ اور تیسری افغان جنگ بھی مکمل فتح کی مثالیں ہیں۔

اگر دشمن کا ارادۂ جنگ تو ختم ہو گیا مگر وہ مدِ مقابل کے مقاصد عظمیٰ کو ماننے سے انکار کر دے یا جزوی مقاصد کو مان لے تو اس فتح کو جزوی فتح کہا جائے گا۔ اس کی بہت سی مثالیں ہمیں صلیبی جنگوں کی تاریخ میں ملتی ہیں۔ ۱۲۲۹ء میں الکامل کے زمانے میں ساتویں صلیبی جنگ میں گو مسلمانوں نے صلیبیوں کے ارادۂ جنگ کو ختم تو کر دیا مگر معاہدے میں یروشلم کا انتظام دس سال کے لئے صلیبیوں کو دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ دونوں طرف کی جزوی کامیابی تھی۔ ۱۸۷۸ء میں ہونے والی دوسری افغان جنگ بھی دونوں اطراف کی جزوی فتح کی مثال ہے۔

شکست

فتح اور شکست ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ایک فریق مکمل فتح حاصل کرے گا تو دوسرا فریق مکمل شکست کھائے گا۔ مگر شکست کا تعلق ذہن سے ہے۔ ایک مادی شکست کے بعد اگر مفتوح فریق ذہنی طور پر بھی شکست کھا جائے تو اس کا ارادۂ جنگ ختم ہو جاتا ہے۔ مگر اگر وہ ذہنی طور پر شکست نہ کھائے تو تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ مکمل شکست کھانے کے بعد بھی کسی قوم نے دوبارہ مکمل فتح حاصل کر لی۔ فتح کی طرح شکست بھی مکمل یا جزوی ہوتی ہے۔ مثلاً فتحِ مکہ میں مشرکین کی مکمل شکست ہوئی۔

برابری

جنگ کے اختتام کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کوئی فریق بھی نہ تو اپنا ارادۂ جنگ چھوڑتا ہے اور نہ ہی دشمن کے مقاصد عظمیٰ کو مانتا ہے۔ گویا نہ ہی جنگ میں کسی فریق کو فتح ہوتی ہے اور نہ ہی شکست۔ اس قسم کی جنگوں کی مثال مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین صلیبی جنگوں کے بعض مراحل میں ملتی ہے، کہ جہاں پونے دو سو سال تک کوئی فریق نہ مکمل شکست کھاتا تھا اور نہ ہی مکمل فتح حاصل کرتا تھا۔ یہاں تک کہ بالآخر بیبرس نے اسے مسلمانوں کی مکمل فتح میں تبدیل کر دیا۔ پاکستان اور

بھارت کی جنگ بھی اسی قسم کی مثال ہے۔اب تک دونوں ملکوں کے درمیان کئی معرکے ہو چکے ہیں اور دونوں مستقل ایک دوسرے کو مستحکم پوزیشن سے غیر مستحکم پوزیشن میں دھکیلنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔اور یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

پسپائی

کسی عسکری قوت کا میدانِ جنگ کو چھوڑ کر کسی محفوظ جگہ کی طرف چلا جانا یا اپنے مرکز کی طرف واپس لوٹ جانا پسپائی کہلاتا ہے۔یہ پسپائی کئی قسموں کی ہوتی ہے۔پسپائی کی ایک قسم مکمل شکست کے نتیجے میں ہوتی ہے۔ مکمل شکست کھا کر عسکری قوت کسی محفوظ جگہ کی طرف مستقلاً پسپا ہو جاتی ہے۔دوسری قسم کی پسپائی حکمت عملی کے تحت پسپائی ہوتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وقتی شکست کھانے کے بعد عسکری قوت دوبارہ منظم ہونے کے لئے پسپا ہو جاتی ہے۔اس کی مثال طالبان کی امریکہ کے خلاف پسپائی ہے۔حکمت عملی کی پسپائی کی ایک اور مثال یہ ہے کہ کوئی اقدامی قوت دشمن کا محاصرہ کر لیتی ہے مگر دفاع مضبوط ہوتا ہے یا حملہ آور کے پاس رسد ختم ہو جاتی ہے تو وہ دوبارہ حملے کے لئے محاصرہ اٹھا کر اپنے مرکز کی سمت پسپا ہو جاتی ہے۔اگر یہ پسپائی اس وجہ سے ہو کہ ایک فریق تھک گیا ہو اور دفاع کی مضبوطی سے تنگ آکر دوبارہ حملہ نہ کرنے کی نیت سے پسپا ہوا ہو تو یہ حکمتِ عملی کی بنا پر نہیں بلکہ شکست کی بناء پر پسپائی ہو گی۔

بے نتیجہ جنگ

کئی جنگیں ایسی ہوتیں ہیں جو صدیوں تک خون خرابے کے بعد بھی بغیر کسی نتیجے کے خود بخود یا پھر کسی معاہدے کے ذریعے ختم ہو جاتی ہیں۔یہ جنگیں عام طور پر انتقام کی بنیاد پر قبائل کے اندر برپا ہوتیں ہیں۔ان کا کوئی بڑا مقصد نہیں ہوتا مگر یہ کہ اپنے قدیم بدلے لینا۔جب ایک فریق اپنا بدلہ لے لیتا ہے تو دوسرا فریق انتقام لینے کے لئے جنگ کی تیاری کرتا ہے۔پھر یہ فریق اپنا بدلہ لینے کے لئے موقع کی تلاش میں رہتا ہے اور موقعہ ملنے پر جنگ کی آگ کو بڑھکاتا ہے۔یوں یہ سلسلہ صدیوں تک بے مقصد خون ریزی کی نظر ہو جاتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کے دور میں جنگ فجار اس کی ایک مثال ہے جو ایک معاہدے حلف الفضول کے تحت ختم ہوئی جس میں آپ ﷺ نے بھی شرکت فرمائی۔

ایک جنگ کے بعد دوسری جنگ

کئی جنگوں کا اختتام دوسری جنگوں کو جنم دیتا ہے۔ایسی جنگیں زیادہ تر گوریلا جنگوں کے نتیجے میں برپا ہوتیں ہیں مگر یہ ضروری نہیں ہے۔اس کی ایک مثال یہ ہے کہ پہلی جنگ عظیم نے دوسری جنگِ عظیم کو جنم دیا اور ہٹلر جرمنی کی ذلت کا بدل لینے اٹھا تو دوسری جنگِ عظیم برپا ہو گئی۔اسی طرح ویت نام کی جنگ اصلاً فرانس کے ساتھ شروع ہوئی، فرانس پسپا ہو گیا مگر اس کی جگہ امریکہ نے لے لی۔ ویتنامیوں نے جنگ بند کرنے سے انکار کر دیا اور امریکہ کے خلاف جنگ شروع کر دی۔روس کی پسپائی کے بعد مجاہدین اور مقامی کیمونسٹوں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی اور اس کے بعد مجاہدین کے درمیان خانہ جنگی شروع ہو گئی۔

معاہدہ

جنگ کے اختتام کا قدیم طریقہ معاہدہ ہے۔معاہدے کے نتیجے بعین اوپر دئے گئے نتائج میں سے کسی ایک یا دو کی شکل میں نکلتے ہیں۔معاہدے کے نتیجے میں کوئی فریق فتح بھی حاصل کر سکتا ہے شکست بھی کھا سکتا ہے، برابری پر یا بے نتیجہ جنگ پر بھی جنگ ختم ہو سکتی ہے۔نیز معاہدے کی وجہ سے ایک اور نئی جنگ بھی شروع ہو سکتی ہے۔

وضاحت:

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مجاہدینِ اسلام کی جنگ دو اقسام کی ہوتی ہے۔دفاعی و اقدامی۔ دفاعی جنگ فرضِ عین ہوتی ہے۔یہ فرضِ عین تبھی ساقط ہوتا ہے جب وہ سبب جس کی وجہ سے جہاد فرضِ عین ہوا تھا وہ رفع ہو جائے۔یعنی اگر مسلمانوں کی زمین پر قبضہ کیا گیا تھا تو وہ واپس مل جائے، اگر مسلمانوں کو قید کیا گیا تھا تو وہ رہائی پا جائیں، اگر حاکم مرتد ہو گیا تھا تو اس کی جگہ امامِ عادل نصب ہو جائے، وغیرہ۔ گویا جب تک سببِ فرضیت ختم نہ ہو، مسلمانوں پر جنگ جاری رکھنا فرضِ عین رہتا ہے۔جنگ کی دوسری قسم اقدامی ہے جو کہ اللہ کے کلمے کو سربلند کرنے اور کفار کے زیرِ قبضہ علاقوں پر اسلام کا جھنڈا لہرانے کی خاطر ہوتی ہے۔یہ جنگ فرضِ کفایہ ہوتی ہے اور اس وقت تک فرضِ کفایہ رہے گی جب تک زمین کے ہر ہر چپے پر اسلام غالب نہ آ جائے۔یہ پس منظر ذہن میں رہے تو یہ سمجھنا

مشکل نہیں رہتا کہ مسلمانوں کے اختتامِ جنگ کے تصور اور کفار کے اختتامِ جنگ کے تصور میں کچھ اساسی فرق ہیں جنہیں ملحوظ رکھنا اور جنہیں سمجھنے کے لیے علماء کی طرف رجوع لازم ہے۔ اسی طرح مسلمان و کافر کے فتح و شکست کے تصور میں بھی فرق ہے کیونکہ کافر کی نگاہ اس دنیا تک محدود ہے جب کہ مومن کی نگاہ عالمِ آخرت تک پہنچتی ہے، جس کا لازمی اثر دونوں کے تصورِ فتح و شکست پر پڑتا ہے۔

البتہ فنِ حرب کی مذکورہ بالا بحث کو جاننے کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے ہمیں اپنے دشمنوں کا تصورِ اختتامِ جنگ بخوبی سمجھ آجاتا ہے اور خود اپنی جنگ کے حوالے سے بھی یہ بات ہمیں واضح ہو جاتی ہے کہ فنِ حرب کی رو سے فتح محض دشمن کو مادی نقصان پہنچانے کا نام نہیں بلکہ جن مقاصد کو سامنے رکھ کر ہم نے جنگ شروع کی ہے، ان کی سمت پیش قدمی پر نگاہ رکھ کر فتح و شکست کا اصل اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حصہ دوم
تنظیم حرب

بابِ اول(۱)

تعارفِ تنظیمِ حرب

تعارف

پچھلے حصے میں ہم نے جنگ کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ جنگ کو سمجھ لینے سے خود بخود یہ بات بھی سمجھ آ جاتی ہے کہ تنازعہ کی صورت میں مقاصد عظمیٰ کے حصول کے لیے ایک ایسا گروہ منظم کرنا ضروری ہے جو جنگ کے تمام مضامین سامنے رکھتے ہوئے خود کو تیار کرے تاکہ مقاصد کے حصول کی سمت پیش رفت کی جاسکے۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے جو قوت تیار کی جاتی ہے اسے عسکری قوت کہتے ہیں اور اس عسکری قوت کی تیاری کا عمل اور تیار شدہ عسکری قوت کے جنگ کو منظم کرنے کا عمل تنظیمِ حرب کہلاتا ہے۔ تنظیم حرب کے مندرجہ ذیل تین مضامین ہیں:

- تشکیلِ عسکری قوت
- تطبیق قوت
- تنفیذ عملیات

بابِ ثانی (۲)
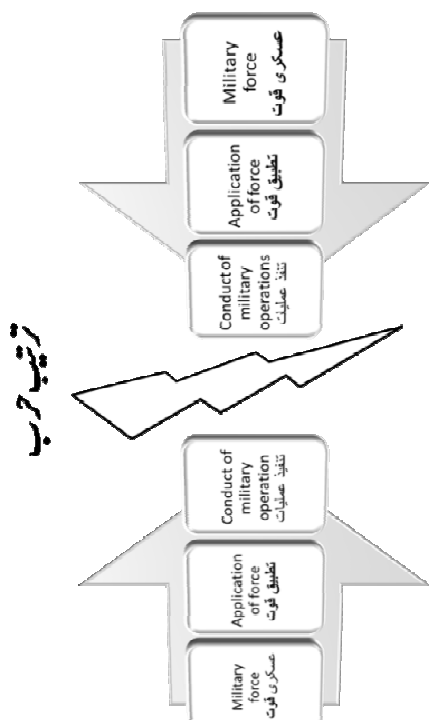
تعارفِ عسکری قوت

تعارف

حصہ اوّل (تفہیم حرب) کے ذیل میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ جنگ کی ابتداء دو فریقوں کے درمیان ایک تنازعے سے ہوتی ہے۔ جب اس تنازعہ کا حل نہ نکل سکے تو یہ صورتحال بعض مراحل سے گزر کر جنگ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جنگ کے فریق دو فرد بھی ہو سکتے ہیں، دو خاندان بھی، دو قبائل بھی، دو قومیں بھی، دو ملک بھی اور دو وادیاں بھی۔ بڑے پیمانے پر جب دو گروہ جنگ کا ارادہ کرتے ہیں تو انہیں جنگ لڑنے کے لیے عسکری قوت تشکیل دینی پڑتی ہے۔ گویا عسکری قوت وہ قوت ہے جو کوئی فریق مخالف سے جنگ لڑنے کے لیے تیار ہو۔ عسکری قوت کی مناسب تعریف یوں ہو سکتی ہے کہ ایسا انسانی گروہ جو اپنے مقاصد عظمیٰ حاصل کرنے کے لئے مضامین جنگ کے مطابق منظم کیا جائے اور جو اقدامی اور دفاعی دونوں صلاحیتوں سے لیس ہو۔ ایسے گروہ کو عسکری قوت کہا جاتا ہے۔ عسکری قوت کو تفصیلاً سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل تین امور کو سمجھنا مفید ہے:

- عسکری قوت کی بنیادی صلاحیت
- عسکری قوت کا وزن
- عسکری قوت کی اقسام

عسکری قوت کی بنیادی صلاحیت

عسکری قوت میں جنگ کرنے کے لیے تین طرح کی صلاحیتیں موجود ہونا ضروری ہے۔ پہلی صلاحیتِ ضرب، دوسری متحرک ہونے کی صلاحیت اور تیسری دفاع کی صلاحیت۔ ان تینوں صلاحیتوں کے بغیر کوئی عسکری قوت تشکیل نہیں پاسکتی یا اگر تشکیل دی جائے تو وہ اپنا مقصد پورا نہیں کر سکتی۔ ان ہی تین صلاحیتوں کی مدد سے کوئی عسکری قوت دوران جنگ اقدام اور دفاع کا عمل سرانجام دیتی ہے۔ ذیل میں عسکری قوت کی ان تینوں صلاحیتوں اور ان کے استعمال کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

صلاحیتِ ضرب

دشمن کو مارنے کی صلاحیت کو صلاحیتِ ضرب کہتے ہیں۔ صلاحیت ضرب وہ صلاحیت ہے کہ جس سے لڑنے والے فریق ایک دوسرے کی صفوں میں شگاف بناتے ہیں اور اس میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ زمانہء قدیم ہی سے ضرب کی صلاحیت فنِ حرب کا اہم حصہ ہیں۔ قدیم زمانے میں ضرب کے لئے تیر، تلوار، نیزہ، منجنیق سے پھینکے گئے پتھر، منجنیق سے پھینکی گئیں آگ کی ہانڈی اور بعد میں بارود وغیرہ شامل رہے ہیں۔ زمانہء جدید میں پستول، گرنیڈ، بندوق کی بوچھاڑ سے لے کر توپ خانے اور جیٹ طیاروں کی بمباری تک سب صلاحیتِ ضرب کا حصہ ہیں۔ زمانہ قدیم ہو یا جدید، صلاحیتِ ضرب کے استعمال کے عسکری اصول ایک ہی جیسے ہیں۔ صلاحیتِ ضرب کے استعمال کے دو عسکری اصول ہیں۔ اول یہ کہ صلاحیت ضرب کو دشمن کی صفوں میں شگاف ڈالنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے یا دشمن کو اپنے سے دور رکھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ جنگی فریق کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ایسے ہتھیار استعمال کرے جو دشمن کی صفوں میں زیادہ گہرائی تک اتر کر ضرب لگائیں۔ انہی دو اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے توپ، ٹینک ہوائی جہاز اور میزائل استعمال ہوتے ہیں۔

اصولاً تمام ہتھیار ہی عسکری قوت کو صلاحیت ضرب فراہم کرتے ہیں لیکن کچھ ہتھیار ایسے ہوتے ہیں جن کی صلاحیت اقدام کے لیے یا دشمن کو پیچھے دھکیلنے کے لیے بطورِ خاص مفید ہوتی ہے۔ ایسے ہتھیاروں کو خصوصاً صلاحیت ضرب کا حصہ مانا جاتا ہے۔ اسی طرح دشمن پر گہرائی سے حملہ

کرنے کی صلاحیت بھی صلاحیت ضرب میں خصوصی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ایک اور اہم عامل یہ ہوتا ہے کہ صلاحیتِ ضرب کس مقدار میں موجود ہے؟عین ممکن ہے کہ کسی عسکری قوت کی صلاحیت ضرب مقدار میں تو کم ہو لیکن پھر بھی اس کے پاس دشمنوں کی صف میں گہرائی تک اتر کر ضرب لگانے کی کافی صلاحیت موجود ہو۔

صلاحیتِ حرکت

عسکری قوت کی یہ صلاحیت کہ وہ جنگ میں حالات کے مطابق اپنی پوزیشن تبدیل کر سکے صلاحیتِ حرکت کہلاتی ہے۔جنگ میں متحرک ہونے کی صلاحیت پر ہم اصول حرب میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔صلاحیتِ ضرب جب صلاحیتِ حرکت کے ساتھ ملتی ہے تو عسکری قوت میں اقدام کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔صلاحیت ضرب دشمن کی صفوں میں جو شگاف پیدا کرتی ہے اس شگاف سے فائدہ اٹھانے کے لیے آگے بڑھنا ہو تو صلاحیتِ حرکت اس میں مدد دیتی ہے۔اسی طرح اگر طاقت ور دشمن کے مقابلے میں عسکری قوت میں نسبتاً کمزور صلاحیت ضرب کے ساتھ اچھی صلاحیتِ حرکت موجود ہو تو تیزی سے پیش قدمی و پسپائی کر کے خود کو دشمن سے محفوظ رکھنا ممکن ہو پاتا ہے۔یوں اقدام اور دفاع دونوں کے لیے ان دونوں صلاحیتوں کا اچھا ملاپ ضروری ہے۔

زمانہء قدیم میں متحرک ہونے کی صلاحیت کے لئے گھوڑے، گدھے اور خچر استعمال ہوتے تھے۔جدید دنیا میں زیادہ انحصار انجن والی سواریوں پر ہوتا ہے۔ انیسویں صدی عیسوی میں بھاپ کے انجن اور بعد میں تیل سے چلنے والے انجن کے استعمال سے متحرک ہونے کی صلاحیت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔جبکہ آج ریل، ٹرک، ہوائی جہاز اور بحری جہازوں کے سبب متحرک ہونے کی صلاحیت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔

نظامی فوجوں میں مطلوبہ رفتار کو حاصل کرنے کے لیے فوج کے مختلف حصے کر دیے جاتے ہیں اور ان کو ان کے کردار کے مطابق تربیت اور وسائل سے لیس کیا جاتا ہے۔رفتار کی بنیاد پر عسکری فوج کے دو بڑے حصے ہوتے ہیں۔

- دشمن کا حملہ روکنے والی کھڑی فوج

○ دشمن پر حملہ کرنے والی متحرک فوج

رفتار کے حصول کے لئے عسکری قوت کا نقشہ
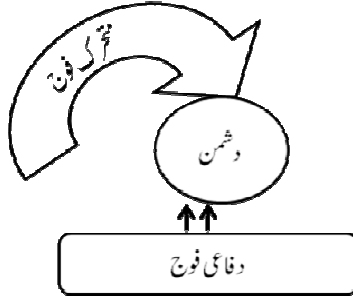
کیونکہ عموماً دفاعی وسائل کا حجم اور وزن زیادہ ہوتا ہے لہٰذا دفاعی وسائل رکھنے والی فوج کو زیادہ حرکت نہیں دی جاتی اور اسے اپنی جگہ کھڑے ہو کر دشمن کا حملہ روکنے کا کام سپرد کیا جاتا ہے۔ دوسری طرف ہلکے پھلکے ہتھیاروں سے لیس ایک تیز رفتار فوج الگ تیار کی جاتی ہے جو دشمن کے حملے کی صورت میں فوری طور پر دشمن کی صفوں میں گھس کر حملہ کر دیتی ہے اور اسے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرتی ہے یا بعض اوقات ایک مختلف راستہ اختیار کرتے ہوئے اس پر پُشت کی جانب سے حملہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ نیز یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ صلاحیتِ حرکت کے ذیل میں ٹیمپو کے تصور کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔

صلاحیتِ دفاع

کسی عسکری قوت کی یہ صلاحیت کہ وہ دشمن کے حملے کو برداشت کر سکے اس کی صلاحیت دفاع کہلاتی ہے۔ دورانِ جنگ ہر فریق اپنی صلاحیت ضرب اور صلاحیت حرکت کو استعمال کر کے فریق مخالف کی صفوں میں گھسنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس حملے کو برداشت کرنا ایک ایسی صلاحیت ہے جو ہر عسکری قوت کی بقاء کے لیے ضروری ہے۔ یہ صلاحیت عسکری قوت کی صلاحیتِ دفاع کہلاتی ہے۔ دفاع کی صلاحیت کے بھی دو حصے ہیں۔ ایک دورانِ قیام دفاع کی صلاحیت اور دوسری دورانِ حرکت یا اقدام اپنے دفاع کی صلاحیت۔ دورانِ قیام دفاع کے لیے زمانہء قدیم سے تلبیس (کیموفلاج)،

چھپاؤ، قلعوں اور خندقوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ دور حاضر میں بھی اس کے یہی طریقے رائج ہیں البتہ زیر زمین بنکر وغیرہ بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ دوران حرکت یا اقدام اپنے دفاع کے لیے قدیم ادوار میں زرہوں کا استعمال کیا جاتا تھا۔ دور حاضر میں اس مقصد کے لیے ٹینک اور بکتر بند استعمال کیے جاتے ہیں۔

عسکری قوت کا وزن

وزن سے مراد بظاہر وہ سامان ہے جو ایک فرد اپنے ساتھ اٹھاتا ہے۔ لیکن عسکری اعتبار سے وہ تمام چیزیں جو عسکری قوت کی صلاحیتوں میں اضافہ کرتی ہیں عسکری قوت کا وزن کہلاتی ہیں۔ عسکری قوت کے وزن میں تین چیزیں شامل ہوتی ہیں:

- افرادی قوت
- صلاحیت
- وسائل

کسی بھی عسکری قوت کی افرادی قوت (تعداد) اس عسکری قوت کے وزن کا بنیادی جزو ہوتی ہے۔ جیسے جیسے کسی عسکری قوت کی افرادی قوت بڑھتی جاتی ہے اس کے وزن میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

عسکری قوت میں شامل افراد کی صلاحیت اس کے وزن میں اضافے کا باعث ہوتی ہے۔ عسکری قوت میں شامل افراد کی تربیت کے ذریعے اس کی صلاحیتوں میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح ایک کم افرادی قوت رکھنے والی باصلاحیت عسکری قوت کا وزن ایک زیادہ افرادی قوت لیکن کم صلاحیت والی عسکری قوت سے زیادہ ہو سکتا ہے۔

وسائل بھی عسکری قوت کے وزن میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ بہترین ہتھیاروں اور سہولیات سے لیس عسکری قوت کا وزن کم وسائل رکھنے والی عسکری قوت سے زیادہ ہوتا ہے۔

وزن کسی بھی عسکری قوت پر دو طرح سے اثر انداز ہوتا ہے۔ جس عسکری قوت کا وزن زیادہ ہوتا ہے اس کی ضرب اور دفاع کی صلاحیت میں اضافہ ہو جاتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ عسکری قوت کا وزن بالعموم حرکت کی صلاحیت میں کمی کا باعث ہوتا ہے۔

عسکری قوت کے وزن، حجم اور کثافت میں تعلق

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ عسکری قوت کا وزن جہاں ایک طرف عسکری قوت کی ضرب اور دفاع کی صلاحیت میں اضافہ کرتا ہے وہاں دوسری طرف عموماً یہ عسکری قوت کی حرکت کی صلاحیت کو کم کر دیتی ہے۔ اگرچہ بعض وسائل اضافی طور پر اس خامی کو پورا کرنے کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں لیکن وزن کا فرق غیر نظامی جنگ میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔ عسکری قوت کے وزن کے کردار کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے عسکری قوت کے وزن کے ساتھ ساتھ اس کے حجم اور کثافت کو بھی سمجھنا ہوگا۔ عسکری قوت کے حجم سے مراد عسکری قوت کی افرادی قوت اور وسائل کا پھیلاؤ ہے۔ اگر ایک شہر کا دفاع کرنے کے لیے مطلوبہ قوتِ ضرب اور قوتِ دفاع کوئی عسکری قوت ایک ہزار افراد سے حاصل کرتی ہے جبکہ ایک دوسری عسکری قوت اپنی بہتر صلاحیت کی حامل افرادی قوت اور بہتر ہتھیاروں کی مدد سے پانچ سو افراد ہی کی مدد سے یہ صلاحیت حاصل کر لیتی ہے تو اب ان دونوں عسکری قوتوں کا وزن تو برابر ہے کیونکہ یہ دونوں عسکری قوتیں ایک ہی کام کرنے کی اہل ہیں لیکن پہلی قوت کا حجم زیادہ ہے لہٰذا اس کی کثافت کم ہے جبکہ دوسری عسکری قوت کا حجم کم ہے لہٰذا کثافت زیادہ ہے۔ پس عسکری کثافت سے مراد مطوبہ عسکری صلاحیت کو کم سے کم وسائل اور کم سے کم افرادی قوت میں مجتمع کرنا ہے۔ عسکری قوت کی کثافت کا سب سے بڑا فائدہ اس کی حرکت کی صلاحیت پر پڑتا ہے کیونکہ زیادہ حجم لازماً عسکری قوت کی حرکت کی صلاحیت کو کم کر دیتی ہے۔ نظامی فوجوں میں بھی کمانڈو یا میرین اسی غرض سے تیار کیے جاتے ہیں کہ وسیع حجم والی فوج میں کچھ ایسے دستے بھی میسر ہوں جو تھوڑے حجم مگر زیادہ کثافت کے سبب سریع الحرکت ہوں۔ نظامی فوجوں میں تو محض چند دستے اس طرز کے ہوتے ہیں جبکہ گوریلا فوجوں کی تو بنیادی قوت ہی ان کی عسکری قوت کی کثافت ہے۔ گوریلا اپنے مخصوص حالات کے پیش نظر اس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ اپنا مطلوبہ

عسکری وزن کم سے کم افراد اور کم سے کم وسائل سے ہی حاصل کرلیں۔اس کے لیے گوریلا فوجوں کی تربیت اصولاً نظامی فوجوں سے بہت تفصیلی اور ہمہ جہتی ہونا چاہیے۔

عسکری قوت کی اقسام

تاریخی انسانی میں بہت سی اقسام کی عسکری قوتیں تشکیل پائیں۔عسکری قوتوں کی تشکیل اور ان کی نوعیت ہر زمانے اور معاشرے کے اعتبار سے مختلف رہی ہے۔تشکیل پانے کے اعتبار سے عسکری قوتوں کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

- قبائلی فوج
- شاہی فوج
- امت کی فوج
- قومی فوج
- عالمی فوج
- گوریلا فوج

قبائلی فوج

تاریخ میں سب سے زیادہ عسکری قوتیں قبائل کی بنیاد پر تشکیل دی گئیں ہیں۔اس کی دو وجوہات رہی ہیں: ایک یہ کہ قبائل (خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم) اپنے آپ کو خطرے میں محسوس کرتے تھے تو اپنے دفاع کے لیے لشکر ترتیب دیتے تھے۔دوسری وجہ یہ کہ قبائل اپنے نظریات اور اپنے دین کی مدد کے لیے لشکر ترتیب دیتے تھے۔اسلام کی تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جہاں قبائل نے دین کی نصرت کے لیے لشکر ترتیب دیئے، بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ تاریخِ اسلامی کی بیشتر یا تمام تر فتوحات مختلف مسلمان قبائل کی افواج کے ہاتھوں انجام پائی ہیں۔جیسے خود رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اوس اور خزرج کے قبائل دین کی نصرت کی خاطر جمع ہوئے اور اس کے لیے جدوجہد کی۔سلجوق سلطانوں، زنگی خاندان اور صلاح الدین ایوبی کی مثال بھی ایسے ہی لشکروں کی ہے جو اصلاً قبائلی پس منظر رکھتے تھے اور دین کی نصرت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

شاہی فوج

شاہی فوجوں کی تشکیل بھی تاریخِ انسانی میں بارہا ہوتی رہی ہے۔ کفار کی تاریخ دیکھیں تو عموماً شاہی فوج کے تشکیل پانے کا مرحلہ قبائلی فوج کے تشکیل پانے کے مرحلے کے بعد آتا ہے۔ جب ایک قبیلہ اقتدار پر قبضہ کر لیتا تھا تو اس علاقے کے تمام قبائل اس کی بادشاہت کو بتدریج قبول کر لیتے تھے۔ اب ان قبائل کی یہ ذمہ داری ہوتی تھی کہ ضرورت پڑنے پر بادشاہ کو فوج فراہم کریں۔ ایک بادشاہ کے تحت مختلف قبائل سے اکٹھی کردہ اس فوج کو شاہی فوج کہتے تھے۔ شاہی فوجوں کا عقیدہ یہ ہوتا تھا کہ بادشاہ ظل اللہ ہے اس لئے اس کی حفاظت کرنا ایک دینی فریضہ ہے۔ یہ باطل عقیدہ ہی شاہی فوجوں کو باہم جوڑے رکھتا تھا۔

امت کی فوج

امت کی بنیاد پر تشکیل دی جانے والی عسکری قوت مسلمانوں میں تیرہ سو سال تک قائم رہی۔ سلطنت عثمانیہ کے خاتمے پر ہی یہ قوت ٹوٹی۔ اس فوج کی بنیاد یہ تھی کہ مسلمان رنگ، نسل اور جغرافیہ سے قطعِ نظر ایک امت ہیں اور انہیں اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی دین ہی کی بنیاد پر زندگی گزارنی ہے۔ مسلمانوں کے لیے اپنے دین کے مطابق زندگی گزارنا تبھی ممکن ہو سکتا ہے جب خلافت کا نظام قائم ہو۔ اس نظام کے قیام، بقاء اور دفاع کے لیے جہاد کرنا لازم ہے اور اسی غرض سے مسلمانوں کی تصورِ امت پر مبنی فوج تشکیل پاتی ہے۔ امت کے ہر فرد کے دین، جان، مال اور عزت کا تحفظ کرنے کے لیے دفاعی جہاد اور اسلام کے برحق نظام کو وسعت دینے کی خاطر اقدامی جہاد اسی فوج کے ذمے ہوتا تھا۔ خلافت کے تحت رہنے والے امراء اور سردارانِ قبائل اپنے اپنے لشکروں کو خلافت کی فوج میں شامل کرتے تھے اور یوں مسلمانوں کا عسکری نظام کام کرتا تھا۔ بعض ادوار میں مسلمانوں کی باقاعدہ رسمی افواج رہی ہیں جو محض جہاد ہی کے لیے ہر دم تیار رہتی تھیں، لیکن بوقتِ ضرورت خلیفہ کسی بھی قبیلے یا قوم کو جہاد میں شرکت کے لیے طلب کر لیا کرتا تھا اور امت بحیثیتِ امت جہاد کے لیے ہر دم تیار ہوتی تھی۔ جبکہ بعض ادوار میں باقاعدہ فوج نہیں رہی اور ہر جنگی مہم کے لیے مختلف قبائل اور علاقوں سے مسلم لشکر اکٹھے ہو کر جہاد کے لیے نکل آتے تھے۔ امت کی بنیاد پر

بننے والی عسکری قوت کی ایک اور مثال صلیبی جنگوں میں بننے والی عیسائی فوج اور سلطنت عثمانیہ کے خلاف جنگ کرنے والی فوج بھی ہے۔اس فوج میں کلیسائے روم کی دعوت پر یورپ کے تمام بادشاہ اپنے دین کی مدد کرنے کے نام پر اپنی اپنی فوجیں بھیجتے تھے۔

قومی فوج

عسکری قوت کی چوتھی قسم آج کے دور جدید میں سامنے آئی ہے۔انقلاب فرانس کے بعد یورپ میں لادین قوتیں سامنے آئیں۔ان لادین قوتوں نے دین کو ریاست سے علیحدہ کرنے کا نعرہ لگایا۔اس انقلاب کی وجہ سے یورپ میں بہت سی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ان میں بادشاہوں اور کلیسا کی بالادستی کو ختم کرکے دستور پر مبنی وطنی ریاستوں کو قائم کر دیا گیا۔اب ان جمہوری ریاستوں کو ایک بڑا مسئلہ یہ درپیش تھا کہ جو فوج کل تک کلیسا کے فتوے پر اور بادشاہ کو ظل اللہ سمجھ کر دینی جذبے سے لڑتی تھی اب اسے لڑنے پر کیسے تیار کیا جائے؟ آسٹریا کے جرنیل کلازویٹ نے یہ مشکل حل کرنے کے لیے اپنا جاہلانہ فلسفہ پیش کیا اور خدا کی بجائے وطنی ریاست کی خاطر جان قربان کرنے کا جذبہ دینے کے لیے ایک مفصل نظریہ دیا۔اس نظریے کی بنیاد پر آج کی ریاستی افواج وجود میں آئی ہیں۔سامراجی دور میں یورپی افواج ان ہی نظریات پر کھڑی تھیں۔سامراج سے آزادی کے بعد جب دنیا میں قومی ریاستیں وجود میں آئیں تو اسلامی دنیا کی نام نہاد آزاد ریاستوں نے بھی کلازویٹ کے نظریات جنگ کی روشنی میں اپنی فوجوں کو ترتیب دیا اور انہی اصولوں کو کہیں جوں کا توں نافذ کر دیا اور کہیں ان کو اسلام کا رنگ روغن کرکے پیش کیا۔

عالمی فوج

جدید دور میں افواج کی تیسری قسم عالمی افواج کی صورت میں سامنے آئی۔دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا کا پورا سیاسی اور معاشی نقشہ تبدیل ہونا شروع ہوا۔اس دور میں سرد جنگ کا آغاز ہوا۔ روس اپنا عالمی نظام دنیا میں نافذ کرنا چاہتا تھا اور امریکہ اپنا نظام۔دنیا میں دو بلاک بن گئے۔ایک امریکی بلاک اور دوسرا روسی بلاک۔امریکہ نے اقوام متحدہ اور یورپ کے ساتھ مل کر نیٹو کی فوج تشکیل دی۔دوسری طرف امریکہ نے دنیا کے گرد ایک گھیرا بنانے کے لئے اپنی فوجوں کو متحدہ کمان

میں تشکیل دینا شروع کر دیا۔اس طرح تین طرح کی عالمی فوجیں وجود میں آ گئیں۔ایک اقوام متحدہ کے تحت عالمی امن فوج۔ دنیا میں جہاں بھی مغرب کا مفاد ہو وہاں اقوامِ متحدہ کے رکن ممالک کے فوجیوں پر مشتمل نام نہاد امن فوج حملہ آور ہو جاتی ہے، جیسا کہ ۹۰ کی دہائی میں صومالیہ اور بوسنیا میں داخل ہوئی۔ دوسری امریکہ کی وہ عالمی فوج ہے جو سات متحدہ کمانوں کے تحت منظم ہے اور پوری دنیا کے گرد ایٹمی اور روایتی گھیرا ڈالے ہوئے ہے۔ تیسری نیٹو کے نام سے یورپ کی متحدہ فوج ہے جو دنیا میں یورپی تسلط قائم کرنے کے لئے اور اقوام متحدہ کی فوج اور امریکہ کی فوج کی مدد کے لئے بنائی گئی ہے۔ یہ تمام عالمی فوجیں دنیا پر کفار ہی کا تسلط مضبوط کرتی ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں روس کی افغانستان میں شکست کے بعد اب یہی عالمی افواج مجاہدین اور امت مسلمہ کے خلاف کھڑی ہیں۔انہی عالمی افواج کی ایک اور مثال ایساف ہے جو کہ ۴۸ سے زائد نیٹو اور غیر نیٹو ممالک پر مشتمل فوج ہے جو افغانستان پر آج بھی قابض ہے۔ایسی ہی ایک مثال ایمیصوم ہے، جو کہ متعدد صلیبی افریقی ممالک (ایتھوپیا، کینیا، برونڈی، یوگنڈا وغیرہ) کی متحدہ فوج ہے اور ابھی صومالیہ پر حملہ آور ہے۔

گوریلا فوج

عسکری قوتوں کی ایک اور قسم اس وقت وجود میں آتی ہے جب کوئی کمزور انسانی گروہ اپنے سے بہت بڑے دشمن کے مقابلے میں اپنے دین اور نظریات کو خطرے میں دیکھتا ہے اور اپنے سے بہت بڑی قوت کے ساتھ جنگ پر آمادہ ہو جاتا ہے۔اس کے نتیجے میں جو عسکری قوت وجود میں آتی ہے اس کو گوریلا عسکری قوت کہتے ہیں۔ گوریلا قوت بنیادی طور پر ایک نظریاتی قوت ہوتی ہے، اس لئے کہ اگر نظریہ موجود نہ ہو تو کوئی کمزور قوت اپنے سے بڑی قوت سے جنگ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ گوریلا قوت روایتی فوجوں کی طرح وجود میں نہیں آتی بلکہ ایک معاشرے کے مختلف طبقات گروہ اور قبائل علیحدہ علیحدہ اس بڑی قوت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے اپنے فہم کے تحت مزاحمت کا آغاز کرتے ہیں۔ان گروہوں اور قبائل میں کچھ اصول مشترک ہوتے ہیں جن کی بنیاد پر یہ ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔آگے یہ کام قیادت کے ذمے ہوتا ہے کہ وہ ان بکھرے گروہوں کو ایک لڑی میں پروئے، ان کے باہمی اختلافات مٹا کر انہیں ایک نظریے اور حکمتِ عملی پر

اکٹھا کرے۔ان کے درمیان وحدت فکر پیدا کرتی ہے۔ گوریلا قوت کی تشکیل پر ہم اس کتاب کے اگلے ابواب میں ذکر کریں گے۔ان شاءاللہ۔

بابِ ثالث (۳)

تشکیلِ عسکری قوت

تعارف

جیسا کہ پہلے بیان ہوا، ایک ایسا انسانی گروہ جو اپنے مقاصد عظمیٰ حاصل کرنے کے لئے مضامین جنگ کے مطابق منظم کیا جائے اور جو اقدامی اور دفاعی دونوں صلاحیتوں سے لیس ہو اسے عسکری قوت کہا جاتا ہے۔ عسکری قوت اور اس کی تشکیل کو سمجھنے کے لیے بعض امور کو سمجھنا ضروری ہے جو درج ذیل ہیں:

- تشکیلِ عسکری قوت کے مراحل
- عسکری ترتیبیں
- عسکری تشکیل کے نظریات

تشکیلِ عسکری قوت کے مراحل

کسی بھی عسکری قوت کی تشکیل بہت سے مراحل سے گزر کر ہوتی ہے۔ماہرین حرب اس کو عسکری مشین سے تشبیہ دیتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مراحل ایک دوسرے پر اس قدر انحصار کرتے ہیں کہ ان کو مشین کی گراریاں سمجھنا چاہیے۔اور ان گراریوں کو جوڑ کر جو مشین وجود میں آتی ہے اسے عسکری قوت کہتے ہیں۔اگر اس مشین کا کوئی پرزہ بھی خراب ہو جائے یا کوئی گراری ٹوٹ جائے تو ساری مشین ہی خراب ہو جاتی ہے۔ عسکری قوت کی تشکیل میں مندرجہ ذیل تین عوامل بنیادی کردار ادا کرتے ہیں:

- معاشرہ

- وسائل
- قیادت

تشکیلِ قوت اور معاشرہ

عسکری قوت خواہ وہ کسی بھی قسم کی ہو اس کی تشکیل میں معاشرے کا کردار اس اعتبار سے انتہائی اہم ہوتا ہے کہ عسکری قوت کو تمام افرادی قوت اور وسائل معاشرے سے ہی ملتے ہیں۔ مگر اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ کیا معاشرے میں اپنی حریت برقرار رکھنے کا جذبہ ہے بھی یا نہیں؟ کیا وہ اپنے نظریات وعقائد کو اتنا اہم سمجھتا ہے کہ ان کا دفاع کیا جائے اور ان کی خاطر قربانی دی جائے؟ مسلم معاشروں میں اس جذبے کو زندہ رکھنے میں والدین، علماء اور اساتذہ کا کردار سب سے اہم ہوتا ہے۔ جن معاشروں میں یہ احساس ختم ہو جاتا ہے وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتے۔ گوریلا جنگ میں معاشرے کا کردار اور زیادہ اہم ہو جاتا ہے کیونکہ اس جنگ میں یہ معاشرہ ہی ہوتا ہے جو گوریلا قوت کو وسائل فراہم کرتا اور اس کی حمایت کرتا ہے۔ معاشرے کی حمایت کے بغیر کوئی عسکری قوت زیادہ دیر تک جنگ نہیں کر سکتی، الا ان یشاء اللہ۔ اس لئے عسکری قوت کی تشکیل کے لئے معاشرے میں دعوت کا نظام منظم کرنا، معاشرے میں جذبہ بیدار کرنا اور اللہ کی تائید کے بعد معاشرے کی تائید کو اپنی پشت پر لینا ہر عسکری قوت کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔

تشکیلِ قوت اور وسائل

تشکیلِ عسکری قوت میں دو طرح کے وسائل ہوتے ہیں۔ ایک لڑنے والی افرادی قوت اور دوسرے وہ مادی وسائل جو اس قوت کو بنانے اور لڑانے کے لئے ضروری ہیں۔ معاشرے میں موجود ۱۶ سے ۴۵ سال کی عمر کی افرادی قوت بالعموم وہ قوت ہوتی ہے جو جنگ میں عملی طور پر حصہ لے سکتی ہے۔ جدید قومی فوجوں نے اس افرادی قوت کو بہت محدود کر دیا ہے۔ اب وہ سولہ سے بائیس سال کی عمر کے لڑکوں کو بھرتی کرتے ہیں اور ان کی جسمانی قابلیت کے مطابق ہی ان کو لیا جا سکتا ہے۔ مگر گوریلا عسکری قوت کی تشکیل میں ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔ گو میدان جنگ میں جوان ہی زیادہ جاتے ہیں مگر ہر عمر کے لوگوں کو اپنا کردار ادا کرنے کا موقعہ ہوتا ہے۔ معاشرے کا دوسرا کردار مادی

وسائل فراہم کرنا ہے۔ یہ وسائل دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک ضروری وسائل جیسے کھانے پینے اور پہننے کے کپڑے وغیرہ اور دوسرے کام کے لیے درکار وسائل جیسے اسلحہ وغیرہ ہوتے ہیں۔ وسائل اور افرادی قوت پر ہم اس کتاب کے اگلے حصے انتظام جنگ میں بحث کریں گے، ان شاءاللہ۔

تشکیل قوت اور قیادت

ایک مؤثر عسکری قوت کی تشکیل میں سب سے اہم کردار مرکزی عسکری قیادت کا ہوتا ہے جو اس عسکری مشین کو بنانے کے لئے معاشرے سے لے کر میدان جنگ تک کی تمام منصوبہ بندی کرتی ہے۔ نااہل قیادت بہترین افرادی قوت اور وسائل کو بھی کسی مفید مقصد میں لگانے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ دوسری طرف تاریخ میں کئی موقعوں پر باصلاحیت قیادت نے اللہ کے اذن سے محدود افرادی قوت اور وسائل کے ساتھ حالات کا رخ موڑا ہے اور تاریخ کو تبدیل کیا ہے۔ تشکیل عسکری قوت میں قیادت پر بہت بھاری ذمہ داری ہوتی ہے۔ تشکیل قوت کے مرحلے پر قیادت کی اہم ذمہ داریاں درج ذیل ہیں:

- منصوبہ بندی
- وسائل کی فراہمی
- تربیت
- ادارتِ عمومی (عمومی ایڈمنسٹریشن)
- تربیتی نظام کی تشکیل
- عسکری قوت کی منصوبہ بندی اور تیاری
- لڑاکا قوت (عملاً لڑنے والی قوت)

تخلیق قوت
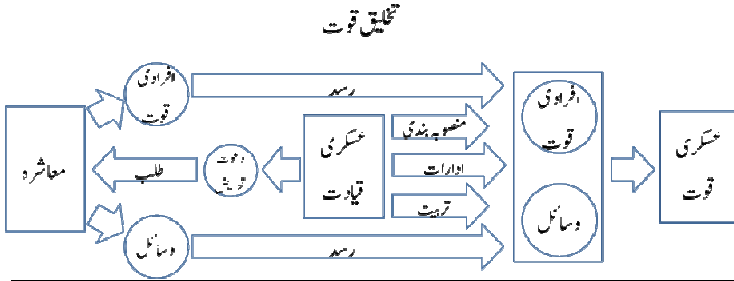
عسکری ترتیبیں

تشکیلِ عسکری قوت کے ذیل میں عسکری قوت کی ترتیب کو بھی سمجھنا ضروری ہے، یعنی جس ترتیب میں عسکری قوت تشکیل پاتی ہے اور جس ترتیب سے اسے استعمال کرنا مطلوب ہے۔ عسکری ترتیبوں کو مندرجہ ذیل طریقوں سے سمجھا جاسکتا ہے:

- عسکری قوت میدانِ جنگ میں کردار کے اعتبار سے
- عسکری قوت اپنی تعداد کے اعتبار سے
- عسکری قوت اپنی افرادی قوت کی حیثیت کے اعتبار سے

عسکری قوت میدان جنگ میں کردار کے اعتبار سے

عسکری قوت کی تشکیل ایک وسیع تصور ہے۔ عسکری قوت کا ہر حصہ عملاً جنگ میں شرکت نہیں کرتا۔ پھر میدان جنگ میں شریک عسکری قوت کو بھی اپنے کردار کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- جنگ کرنے والی عسکری قوت
- دوران جنگ مدد کرنے والی عسکری قوت

ذیل میں ان دونوں قسموں کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

جنگ کرنے والی عسکری قوت

جنگ لڑنے والی قوت کا کام اقدام یا دفاع کرنا ہوتا ہے۔ اقدام اور دفاع کے لئے جنگ کرنے والی قوت تین بنیادی حصوں میں تقسیم ہوتی ہے:

- پیادہ فوج (انفنٹری) [جو کہ آگے بکتر بند پیادہ فوج اور عام پیادہ فوج میں تقسیم ہوتی ہے]
- گھڑ سوار دستے (کیولری)
- توپخانہ (آرٹلری)

ان تین بازؤوں پر مشتمل فوج میں تین طرح کی صلاحیت کا موجود ہونا ہی اسے مطلوبہ معیار پر لاتا ہے، یعنی ضرب، حرکت اور دفاع۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مادی ترقی نے عسکری آلات کی شکلوں میں ضرور تبدیلی کی ہے لیکن ان آلات کو آج بھی ان ہی صلاحیتوں کے حصول کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ قوت ضرب کے لیے کبھی تیر انداز استعمال ہوتے تھے اور آج توپ خانہ اور فضائیہ اسی مقصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ تیز رفتار حرکت اور دشمن کو دھکیلنے کے لیے کبھی گھڑ سوار دستے استعمال ہوتے تھے اور آج بکتر بند اور ٹینک استعمال ہوتے ہیں۔ قبضہ کرنے اور دفاع کے لیے پہلے بھی پیدل فوج استعمال ہوتی تھی اور آج بھی۔ پہلے زمانے میں تیر انداز دستوں یا منجنیقوں سے صلاحیتِ ضرب حاصل کی جاتی تھی یہاں تک کہ دشمن کی صف بندی اور دفاع کو کمزور کر دیا جائے۔ اس کے بعد گھڑ سوار دستے حملہ کر کے دشمن کو پیچھے دھکیلتے تھے۔ اس کے پیچھے پیدل دستے قبضہ کرتے اور اپنا دفاعی نظام قائم کر دیتے تھے۔ دفاع کی جنگ میں بھی تیر اندازوں یا منجنیقوں سے قوت ضرب حاصل کی جاتی تھی اور پیدل فوج قلع بندی کر کے دفاع کرتی تھی۔ دفاع کی جنگ میں متحرک ہونے کی صلاحیت یعنی گھڑ سوار دستوں کا کام کم پڑتا تھا۔ دورِ حاضر میں بھی یہی صورتحال موجود ہے، صرف آلات فرق ہیں۔ آج توپ خانہ صلاحیت ضرب فراہم کرتا ہے جو حملہ شروع ہونے سے پہلے دشمن کے ٹھکانے پر گولہ باری کر کے ٹینکوں کے لیے اہداف کو نرم کرتا۔ توپ خانے کی گولہ باری کے سائے میں ٹینک حرکت کر کے حملہ کر کے دشمن کو پیچھے دھکیلتے ہیں جب کہ پیادہ قبضہ کر کے اپنا دفاعی نظام قائم کرتے ہیں۔ دفاع کے وقت آج بھی توپ خانہ اور پیادہ فوج کا زیادہ کام ہوتا ہے۔ پیادہ فوج

قلعہ بندی کرکے دفاع کرتی ہے جب کہ توپ خانہ گولہ باری کرکے دشمن کو پسپا کرتا ہے۔ دفاع کی جنگ میں ٹینکوں کا کام کم ہوتا ہے۔

دورانِ جنگ مدد کرنے والی عسکری قوت

عسکری قوت کا دوسرا حصہ جنگ میں حصہ نہیں لیتا بلکہ وہ جنگ میں مدد فراہم کرتا ہے۔ یہ مدد مندرجہ ذیل طریقوں سے ہوتی ہے:

- رسد
- ہندسہ (انجنیئر نگ)
- جاسوسی
- مواصلات
- مرمت
- طب

پہلی طرح کی مدد فوج کو ضروریات زندگی فراہم کرنا اور جنگ کے لئے اسلحہ پہنچانا ہے۔ یہ کام کرنے والے شعبے کو رسد کہا جاتا ہے۔ دوسری قسم کی مدد ہندسہ (انجیئر نگ) کا شعبہ فراہم کرتا ہے جس کا کام دورانِ جنگ تکنیکی مدد فراہم کرنا ہے جیسے پل تعمیر کرنا وغیرہ۔ جنگ میں تیسری قسم کی مدد دشمن کی اطلاعات فراہم کرنا ہے، یہ کام جاسوسی کا شعبہ کرتا ہے۔ جنگ میں چوتھی قسم کی مدد فوج کے اگلے مورچوں کا مرکز سے مواصلاتی رابطہ بحال رکھنا ہوتا ہے، جو مواصلات کے شعبے والے کرتے ہیں۔ فوج کی پانچویں مدد خراب آلات اور گاڑیوں کی مرمت کرنا ہوتا ہے جو مرمت کے شعبے والے کرتے ہیں۔ جنگ میں چھٹی قسم کی مدد زخمیوں کی دیکھ بھال ہوتی ہے جو کہ طبّی عملہ کرتا ہے۔

ذیل میں نظامی فوجوں کی میدان جنگ میں کردار کے اعتبار سے مختلف ترتیبوں کی علامات دکھائی گئی ہیں

عسکری قوت اپنی تعداد کے اعتبار سے

نظامی فوج کی ایک ترتیب تو اس کے میدان جنگ میں کردار کے اعتبار سے ہوتی ہے اور اس کی دوسری ترتیب اس کی تعداد کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ تعداد کے اعتبار سے عسکری قوت کی ترتیب تین کے حساب سے کم سے زیادہ کی طرف بڑھتی ہے۔ عملی مثال سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔ سب سے چھوٹی اکائی سکواڈ ہوتی ہے۔ تین سکواڈ مل کر ایک سیکشن بناتے۔ تین سیکشن مل کر ایک پلاٹون بناتے ہیں۔ تین پلاٹون مل کر ایک کمپنی بناتے۔ تین کمپنیاں مل کر ایک بٹالین بناتی ہیں۔ تین بٹالینیں مل کر ایک بر گیڈ بناتیں ہیں۔ تین بر گیڈ مل کر ایک ڈویژن فوج بناتے ہیں۔ تین ڈویژن فوج مل کر ایک کور بناتی ہے۔ تین کوریں مل کر ایک فوج بناتی ہے تین فوجیں مل کر افواج کا گروپ بناتی ہیں۔ عموماً دنیا کے بیشتر ممالک کی افواج میں کور سے بڑی کوئی اکائی نہیں ہوتی، لیکن امریکہ، چین اور بھارت جیسی بڑی افواج میں کور سے بڑی اکائیاں بھی موجود ہوتی ہیں۔ نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ سکواڈ سے لے کر کور تک ہر اکائی میں فوجیوں کی تعداد کتنی ہو گی، اس کا کوئی متعین قاعدہ نہیں موجود۔ ہر فوج میں یہ قاعدہ فرق ہوتا ہے اور ایک فوج بھی حسبِ ضرورت مختلف محاذوں پر اس تعداد کو بدل سکتی ہے۔ اس لیے ذیل کے جدول میں دی گئی تعداد محض تقریبی ہیں، نہ کہ بلکہ متعین۔

ذیل میں نظامی فوجوں کی تعداد کے اعتبار سے عمومی ترتیب کی تفصیل بیان کی گئی ہے

Formation	Command	تعداد		قیادت	ترتیب
Squad	Private 1st class	5	دس افراد پر مشتمل ہوتا ہے	حولدار	اسکواڈ
Section	(Hawaldar/Sobidar) Sergeant Major	10	تین سکاڈ پر مشتمل ہوتا ہے	حوالدار میجر	سیکشن
Platoon	2nd Lt.	40	تین سیکشنوں پر مشتمل ہو تا ہے	سیکنڈ لیفٹیننٹ	پلاٹون

Company	Maj.	150 - 200	تین پلاٹونوں پر مشتمل ہوتی ہے	میجر	کمپنی
Regiment/ Battalion	Lt. Col.	1000	تین کمپنیوں پر مشتمل ہوتی ہے	لیفٹنٹ کرنل	بٹالین
Brigade	Brg.Gen	3500 - 4000	تین بٹالینوں پر مشتمل ہوتی ہے	بریگیڈیئر	برگیڈ
Division	Maj. Gen.	10000 - 20000	تین برگیڈوں پر مشتمل ہوتی ہے	میجر جنرل	ڈویژن
Corps/ Core	Lt. Gen.	30000 - 40000	تین ڈویژنوں پر مشتمل ہوتی ہے	لیفٹنٹ جنرل	کور

نظامی فوج کی تعداد کے اعتبار سے عمومی ترتیب کی نقشے پر اظہار کے لیے علامات
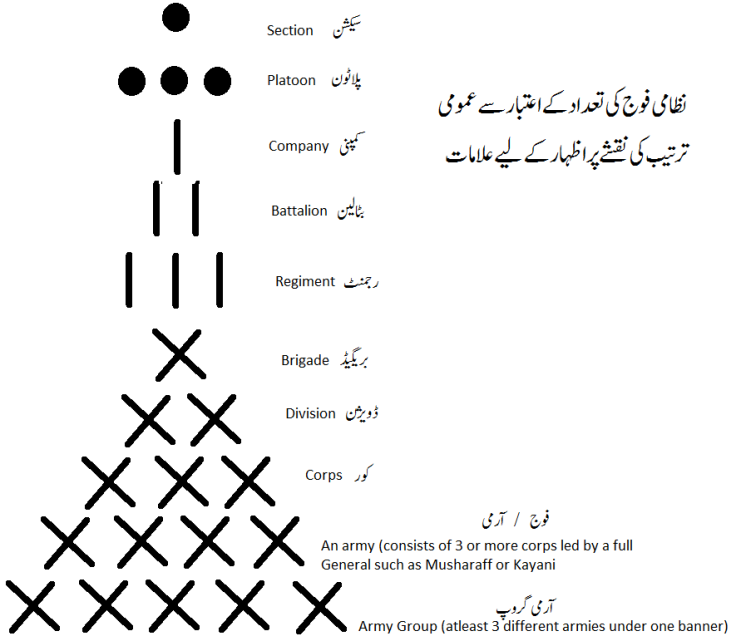
غیر نظامی جنگ یا گوریلا جنگ میں بھی باعتبار تعداد عسکری قوت کی ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ کسی بھی میدان جنگ میں کسی بھی قسم کی عملیات کے لیے مطلوبہ افرادی قوت کی فراہمی کو یقینی بنانا ضروری ہے۔ اسی طرح دفاع کے لیے بھی افرادی قوت کی مناسب ترتیب ضروری ہے۔ گوریلا جنگ میں چونکہ کل افرادی قوت کم ہوتی ہے اس لیے افرادی قوت کی ترتیب کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔

عسکری قوت افرادی قوت کی حیثیت کے اعتبار سے

جدید نظامی فوجوں میں افرادی قوت مختلف حیثیتوں میں تقسیم ہوتی ہے جن کی مخصوص ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ زمانہء قدیم سے افواج میں عسکری ماہرین کی اہمیت مسلمہ ہے۔ فوجوں کو لڑانے، منصوبہ بندی کرنے اور فیصلے کرنے والے یہ افراد پوری عسکری قوت میں اہم ترین مقام رکھتے ہیں۔ لیکن بڑی عسکری قوت میں ہر ہر سطح پر ذمہ دار افراد کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک بڑے نظام کو چلانے کے لیے ہر سطح کے افراد کی ذمہ داری کا تعین بھی ضروری ہے۔ چنانچہ نظامی فوجوں میں افرادی قوت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: ایک افسر اور دوسرا جوان یا بھرتی سے آنے والے جوان۔ افرادی قوت کے یہ دونوں حصے معاشروں سے ہی لئے جاتے ہیں۔ ہر فوج کا بھرتی کا اپنا اپنا نظام موجود ہوتا ہے۔ عام طور پر اس میں ہر سطح کی بھرتی کے لئے تعلیمی قابلیت اور جسمانی قابلیت مقرر ہوتی ہے جس کو جانچنے کے لئے باقاعدہ امتحان لیا جاتا ہے۔ فوج میں داخلے کے بعد یہ افرادی قوت فوج کے تربیتی نظام سے گزرتی ہے۔ اس نظام میں بنیادی اور تخصیصی دونوں طرح کی تربیت شامل ہوتی ہے۔ گویا جدید روایتی افواج میں عسکری افرادی قوت مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم ہوتی ہے:

- بھرتی والے افراد
- افسر

بھرتی والے افراد

نظامی فوجوں میں بھرتی والے افراد سپاہی کے طور پر فوج میں شامل ہوتے ہیں اور ترقی کرتے ہوئے غیر کمیشن افسر تک تو پہنچ سکتے ہیں لیکن باقاعدہ افسر کبھی نہیں بن سکتے۔ یوں بھرتی والے افراد کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

- سپاہی
- غیر کمشن افسران

بھرتی والے افراد کی پہچان ان کے بازو پر پٹیاں ہوتیں ہیں جن کی تعداد ان کے عہدوں کو ظاہر کرتی ہیں۔ بغیر پٹی کے سپاہی ہوتا ہے۔ ایک پٹی والے کو نائیک کہتے ہیں۔ دو پٹیوں والے کو لانس نائیک کہتے ہیں۔ تین پٹیوں والا حولدار ہوتا ہے اور چار پٹیوں والا حوالدار میجر کہلاتا ہے، جسے سارجنٹ یا سارجنٹ میجر بھی کہا جاتا ہے۔ حوالدار میجر کے بعد غیر کمیشن افسران کے عہدے شروع ہوتے ہیں۔ ان کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ کندھے پر ستارے کے ساتھ ایک سرخ پٹی ہوتی ہے۔ سرخ پٹی اس کو غیر کمیشن افسر ظاہر کرتی ہے۔ ایک ستارے اور سرخ پٹی والے کو نائب صوبے دار کہا جاتا ہے۔ دو ستارے والے کو صوبیدار کہا جاتا ہے۔ جبکہ چاند ستارے اور ایک سرخ پٹی والے کو صوبیدار میجر کہا جاتا ہے۔

گوریلا افواج کیونکہ ایک نظریے پر تشکیل پاتی ہیں اس لیے کسی بھی فرد کا ان نظریات سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ ہونا اس کی دیگر صلاحیتوں سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ ایک دفعہ عسکری قوت کا حصہ بننے کے بعد فرد کی صلاحیت کی بنیاد پر اسے مخصوص ذمہ داریاں دی جاتی ہیں۔

افسر و سپاہی کی روایتی مغربی تقسیم کے ساتھ مغرب کے اپنے طبقاتی اونچ نیچ کے تصورات بھی جڑے ہوئے ہیں جنہیں اسلام یکسر مسترد کرتا ہے۔ اسلامی افواج کی تاریخ میں کبھی مسلم فوج کے اندر یہ غلامانہ طبقاتی تقسیم موجود نہیں رہی۔ ہماری تاریخ میں کتنی ہی بار ایک عام سپاہی ترقی کرتا کرتا فوج کا سپہ سالار بن گیا۔ صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ بھی اسی طرح ابھرے۔ برصغیر پر حکومت کرنے والے قابل ترین سپہ سالاروں میں التتمش، قطب الدین ایبک، بختیار خلجی اور غیاث الدین بلبن کے نام سرِ فہرست ہیں جو سب کے سب اصلاً سلطان محمد غوری کے غلام تھے۔ نیز ہماری تاریخ میں یہ

مثال بھی موجود ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے بے مثل سپہ سالار کو ایک فرمانِ خلیفہ رضی اللہ عنہ سے برطرف کر دیا گیا اور انہوں نے اس کے بعد بھی ایک عام سپاہی بن کر جہاد جاری رکھا اور کوئی عار محسوس نہیں کیا، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پس مسلم فوج میں صلاحیتوں و قابلیتوں کے اعتبار سے ذمہ داریوں کی تقسیم ضرور موجود ہوتی ہے لیکن نہ تو اس تقسیم کی بنیاد پر دو علیحدہ طبقات تشکیل پاتے ہیں اور نہ ہی ان امور کو افضیلت کا پیمانہ بنایا جاتا ہے۔

افسر یا ذمہ دار افراد

جدید نظامی فوجوں میں افسروں کی بھرتی ایک خاص تعلیمی معیار اور ایک خاص عسکری امتحان کے بعد کی جاتی ہے۔ پاکستان آرمی میں یہ امتحان آئی ایس ایس بی کہلاتا ہے۔ اس امتحان سے پاس ہونے والے امیدواروں کو کاکول میں واقع فوجی اکیڈمی میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اس اکیڈمی میں دو سال تربیت پانے کے بعد ایک فرد سیکنڈ لفٹینٹ کے عہدے پر فائز ہو جاتا ہے۔ افسروں کی تین سطحیں ہوتی ہیں جو کام کے حساب سے تقسیم کی جاتیں ہیں۔ پہلی سطح عملیاتی (آپریشنل) افسران کی ہے، جو سیکنڈ لیفٹنٹ، لیفٹنٹ، کیپٹن، میجر اور لیفٹنٹ کرنل تک کے عہدوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ افسر جنگ کے دوران عین میدان جنگ میں موجود ہوتے ہیں۔ ان کا کام عملیاتی (آپریشنل) سطح پر جنگ لڑانا ہوتا ہے۔ افسروں کی دوسری سطح فل کرنل اور بریگیڈیئر پر مشتمل ہوتی ہے جنہیں اسٹاف افسر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ افسر جرنیلوں اور آپریشنل افسروں کے درمیان رابطے کا کام کرتے ہیں۔ ان افسروں کا کام فیصلوں کو میدان جنگ تک پہنچانا ہوتا ہے۔ تیسری سطح کے افسر جرنیل ہوتے ہیں جو کہ اصولی (سٹریٹیجک) سطح کے افسران ہوتے ہیں۔ ان افسروں کا کام منصوبہ بندی کرنا اور فیصلے کرنا ہوتا ہے۔ یہ سطح میجر جنرل، لیفٹنٹ جنرل اور فل جنرل پر مشتمل ہوتی ہے۔ ذیل میں پاکستانی فوج اور امریکی فوج کے افسروں کے نشانات کا نقشہ دیا گیا ہے۔

پاکستانی فوجی افسروں کے کندھوں پر موجود علامات

جنرل

- فیلڈ مارشل — Field Marshal
- جنرل — General
- لیفٹیننٹ جنرل — Lieutenant General
- میجر جنرل — Major General

اسٹاف افسر

- بریگیڈیئر — Brigadier
- کرنل — Colonel

آپریشنل افسر

- لیفٹیننٹ کرنل — Lieutenant Colonel
- میجر — Major
- کیپٹن — Capatain
- لیفٹیننٹ — Lieutenant
- سیکنڈ لیفٹیننٹ — Second Lieutenant

USMC RANK STRUCTURE
ENLISTED

امریکی فوج کے سپاہیوں کی پٹیاں

گوریلا افواج میں ذمہ دار افراد کی شمولیت کا کوئی علیحدہ طریقہ کار نہیں ہوتا بلکہ جس طرح کوئی عام فرد ایک سپاہی کی حیثیت میں عسکری قوت کا حصہ بنتا ہے اسی طرح ذمہ داران بھی عسکری قوت میں شمولیت اختیار کرتے ہیں البتہ اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر وہ اہم ذمہ داریوں پر فائز ہو جاتے ہیں۔ مسلمان گوریلا جنگ لڑیں یا نظامی، ان میں یہ افسر و جوان کی تقسیم نہیں پائی جاتی۔ فطری صلاحیتوں کے اعتبار سے کاموں کی تقسیم ضرور ہوتی ہے لیکن افراد کے اوپر ابھرنے پر کوئی مصنوعی رکاوٹ عائد نہیں کی جاتی۔ جو افراد بھی سبقت لے جائیں، زیادہ قربانیاں دیں، زیادہ متقی و باعمل ہوں مسلم اجتماعیت خودبخود انہیں اوپر ابھارتی چلی جاتی ہے اور وہی قیادت سنبھال لیتے ہیں۔ دینِ اسلام دینِ فطرت ہے اور اسے مصنوعی طریقوں سے اپنی قیادت نہیں بنانی پڑتی بلکہ ایک فطری انداز سے ہر ایک اپنا مقام سنبھالتا چلا جاتا ہے۔ بعض اوقات معاشرے میں موجود اہم حیثیت رکھنے والی شخصیات مثلاً علمائے کرام اور سرداران قبائل کو از خود بھی عسکری قوت میں شمولیت، سرپرستی یا کم از کم مشاورت و معاونت کی دعوت دی جاتی ہے۔ لیکن اس معاملے میں بھی بنیادی اہمیت معاشرے میں حیثیت سے زیادہ نظریات و عقائد کی پختگی کی ہوتی ہے۔

عسکری ترتیب نقشے پر (تعداد اور کردار کے اعتبار سے)

یہاں ضمناً نظامی فوج کی عسکری ترتیب بلحاظ تعداد اور کردار، نقشے پر ظاہر کرنے کا طریقے بیان کیا گیا ہے۔ عسکری نقشے پر عسکری قوت کو ایک مستطیل کی شکل میں ظاہر کیا جاتا ہے۔اس مستطیل شکل کے اندر کا نشان عسکری قوت کے کردار کو ظاہر کرتا ہے اور اس ڈبے کے اوپر اور باہر کی جانب نشان عسکری قوت کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے۔اس بات کی وضاحت کے لیے ذیل میں چند مثالیں دی گئی ہیں۔

پیادہ پلاٹون
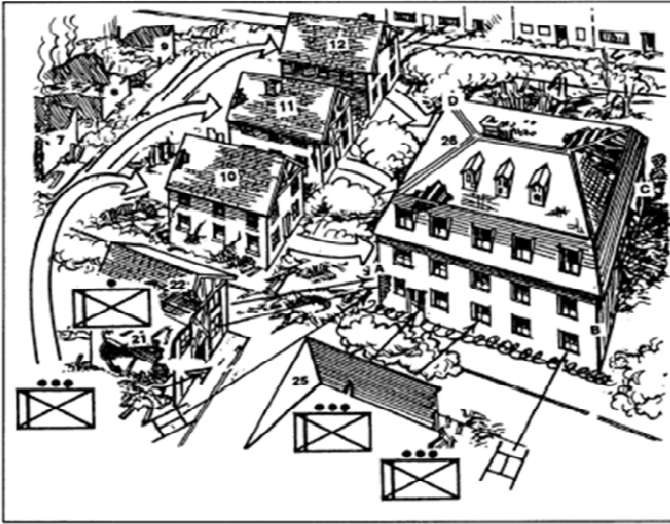
Figure 3-14. Company attack of a strongpoint.

اس تصویر میں دائیں طرف نیچے ایک ٹینک کھڑا ہے جبکہ اس کے بائیں طرف ترتیب سے تین پیادہ پلاٹون موجود ہیں۔ بائیں طرف تھوڑا اوپر ایک پیادہ اسکواڈ بھی موجود ہے۔

ٹینک اور بکتر بند پلاٹون
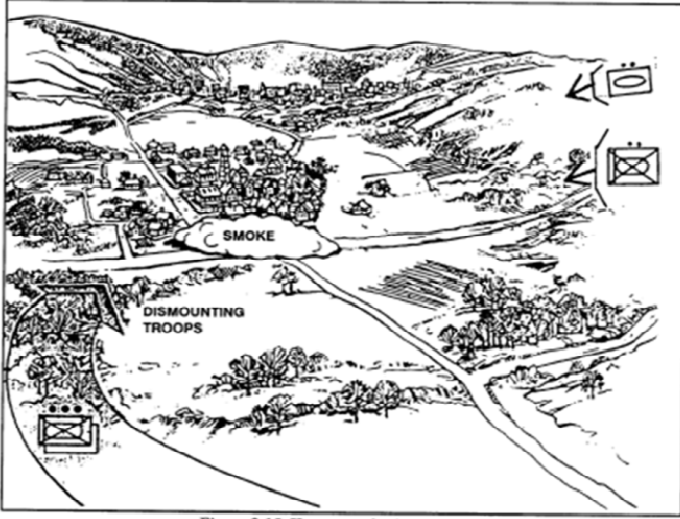
Figure 3-15. Hasty attack of an outpost.

اس تصویر میں دائیں طرف اوپر بکتر بند پلاٹون موجود ہے جبکہ بائیں طرف نیچے ایک بکتر بند پلاٹون ہے۔

بابِ رابع (۴)

تطبیقِ عسکری قوت

تعارف

عسکری قوت کی تشکیل کے بعد دوسرا مرحلہ تطبیق قوت کا ہوتا ہے۔جب دشمن کے ساتھ تنازعے کا تصفیہ نہ ہو سکے تو جنگ کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔اس مرحلے میں جنگ کرنے والا ہر فریق اپنی اور اپنے دشمن کی صورت حال کا تجزیہ کرتا ہے اور اپنی فوج کو میدان جنگ میں اتارنے کا فیصلہ کرتا ہے۔اس لئے کسی عسکری قوت کو امن کی پوزیشن سے ایک ایسی پوزیشن میں لگانا جہاں اس کا آمنا سامنا دشمن سے ہو جائے تطبیقِ عسکری قوت کہلاتا ہے۔زمانہء امن سے لے کر دشمن کے سامنے اپنی پوزیشن سنبھالنے تک بہت سے مراحل پیش آتے ہیں۔ان تمام مراحل کو علیحدہ علیحدہ سمجھنا ہی دراصل تطبیقِ قوت کے مضامین کو سمجھنا ہے۔

تطبیق قوت کے مرحلے کا آغاز عموماً کسی ایک فریق کے اعلان جنگ سے ہوتا ہے یا تنازعے کی خراب ہوتی ہوئی صورت حال خود ہی پیش آنے والی جنگ کا اعلان کر رہی ہوتی ہے۔اس موقعے پر جنگ کرنے والے فریق کے سامنے کئی قسم کے سوالات درپیش ہوتے ہیں۔پہلا سوال تو اپنی اور اپنے دشمن کی عسکری صورت حال کا جائزہ لینا ہے۔ہر فریق کے لئے یہ جاننا ضروری ہوتا ہے کہ اس کا دشمن کس طریقے سے اس کے ساتھ جنگ کرے گا؟ کیا وہ اس پر رعب قائم کرنے کی کوشش کرے گا کہ وہ امن سے جنگ کی طرف منتقل ہی نہ ہو سکے یا وہ پیش بندی سے کام لیتے ہوئے اسے اتنا نقصان پہنچا دے گا کہ وہ کوئی بھی اقدامی قدم اٹھانے کے قابل نہ رہ سکے یا دونوں فریقوں میں اتنی طاقت ہے کہ آمنے سامنے آکر ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہو جائیں گے۔ایک صورت یہ بھی ہو سکتی

ہے کہ وہ اپنے دشمن سے آمنے سامنے کی جنگ کرنے کی قوت نہیں رکھتا، لہٰذا وہ اسے اپنے ملک میں آنے کی اجازت دے اور اس کے بعد اس کے ساتھ گوریلا جنگ کرے۔ جنگ کرنے والے ہر دو فریق کو ان چار میں سے کسی ایک صورت حال کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔اس صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے اقدامی یا دفاعی طریقہ جنگ میں سے ایک راستہ اختیار کرنا ہوتا ہے۔

دوسرا اہم سوال یہ ہے کہ طریقہء جنگ چاہے دفاعی ہو یا اقدامی ایک فریق اپنے مقاصد عظمیٰ کیسے حاصل کرے گا یا ان مقاصد کا دفاع کیسے کرے گا؟ اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے اسے اپنے لیے مناسب میدان جنگ کا تعین کرنا ہوگا اور میدان جنگ کی صف بندی بھی کرنی ہوگی۔ چنانچہ تطبیق قوت کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

تطبیقِ قوت کے مضامین

کسی فریق کا صورتحال کا تجزیہ کرنے کے بعد جنگ کا ارادہ کر کے اپنی عسکری قوت کو حالتِ امن سے نکال کر منتخب کردہ میدانِ جنگ میں دشمن کے خلاف صف آرا کرنا ہی تطبیق قوت کہلاتا ہے۔ تطبیق قوت کے مندرجہ ذیل مضامین ہیں:

- جنگ کا ارادہ اور صورتحال کا تجزیہ
- میدان جنگ کا تعین
- اہداف کا تعین
- مقاصد اور اہداف کا شجرہ یا نقشہ
- طریقہء جنگ کا تعین
- میدانِ جنگ کی صف بندی
- عسکری قوت کا حرکت میں آنا (جنگی مقاصد و اہداف کا تعین اور عسکری قوت کی ادارات)
- دشمن کا سامنا (محاذ کا قیام)

ذیل میں ان امور کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔

جنگ کا ارادہ اور صورتحال کا تجزیہ

یہ تطبیق قوت کا نقطہ آغاز ہے بلکہ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اسی مرحلے پر تطبیق قوت کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ جنگ کی اصل وجہ تنازعہ ہے۔ تنازعہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دو فریقوں کے مقاصدِ عظمیٰ آپس میں متصادم ہوں اور وہ دونوں گروہ اپنے مقصد عظمیٰ سے دست بردار ہونے پر تیار نہ ہوں۔ ایسی صورت میں بعض اوقات تو فریقین مناسب موقع کا انتظار کرتے ہیں اور بظاہر حالت امن میں رہتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات کوئی ایک فریق کھلم کھلا یا غیر محسوس طریقے سے بعض ایسے اقدامات شروع کر دیتا ہے جو اسے اپنے مقاصد عظمیٰ کے حصول کی طرف لے جائیں۔ اگر اس فریق کا مقاصد عظمیٰ کے حصول کے سلسلے میں پہلے سے کسی فریقِ مخالف سے تنازعہ موجود ہو تو یہ اقدامات خواہ ظاہراً کتنے ہی سادہ اور غیر عسکری ہوں لیکن یہ اصلاً ایک فریق کا دوسرے فریق کے خلاف اعلان جنگ ہی ہوتا ہے اور اکثر ایسے اقدامات پوری عسکری تیاری کے ساتھ ہی کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا فریق مخالف بھی ان اقدامات کی زد براہ راست اپنے مقاصد عظمیٰ پر محسوس کرتے ہوئے جوابی رد عمل کی تیاری شروع کرتا ہے۔

خواہ خود جنگ چھیڑنی ہو یا دشمن کے اقدامات کے رد عمل میں جنگ کا آغاز کرنا ہو، دونوں ہی صورتوں میں بعض مخصوص معاملات کے تجزیہ کی ضرورت ہوتی ہے:

- حالات کا تجزیہ
- دشمن کا تجزیہ
- ذاتی تجزیہ

حالات کا تجزیہ

خود جنگ کا آغاز کرنے کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ایسا کرنے کی صورت میں کس حد تک رد عمل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اور جنگ چھیڑنے سے حاصل ہونے والا فائدہ فریق مخالف کی طرف سے ہونے والے رد عمل سے پہنچنے والے متوقع نقصان سے زیادہ ہے یا کم۔ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھنا

ہوتا ہے کہ کیا جنگ چھیڑنے کے لیے یہ وقت مناسب ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں عسکری قوت اپنی افرادی قوت، معیشت کی صورت حال اور ملکی و بین الاقوامی سیاست تمام کو نظر میں رکھ کر فیصلہ کرتی ہے۔

اگر جنگ کا آغاز دشمن کی طرف سے ہوا ہو تو اس صورت میں حالات کے تجزیہ سے مراد دشمن کے ان اقدامات کا تجزیہ کرنا ہے جو اس نے اپنے مقاصد عظمیٰ کے حصول کے لیے انجام دیئے ہوں۔ اس تجزیے میں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ ان اقدامات سے ہمیں یا ہمارے مقاصد عظمیٰ کو کس حد تک نقصان پہنچ رہا ہے اور کیا اس کے جواب میں جنگ کرنا ضروری ہے یا یہ معاملہ قابل برداشت ہے یا بات چیت سے حل ہو جانے والا ہے۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ ایک مجاہد کے لیے جنگ کرنے نہ کرنے کا اصولی فیصلہ تو اس کے ہاتھ میں نہیں۔ بالخصوص اگر کسی اہلِ علاقہ پر جہادِ فرضِ عین ہو گیا ہو تو اب اس بات پر سوچنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ جہاد کیا جائے یا نہیں کیونکہ اب یہ رب کا حکم ہے جسے ہر حال پورا کرنا ہے۔ ہاں، اس پر غور و فکر اور باہم مشاورت کی گنجائش موجود ہے کہ محاذ فوراً کھول دیا جائے یا کچھ مزید تیاری کے بعد، یا اگر ایک سے زائد دشمن ہوں تو پہلے کس سے لڑا جائے اور بعد میں کس سے۔ اس کے برعکس جدید ریاستی افواج کے نزدیک جنگ کوئی الٰہی فریضہ نہیں بلکہ محض مفادات کی تکمیل کا آلہ ہے اس لیے وہ جب فائدہ دیکھتے ہیں جنگ کرتے ہیں اور جب نقصان ہوتا دیکھتے ہیں تو جنگ چھوڑ دیتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ ایک مسلمان کو کسی موقع پر دین کا ایسا نقصان ہوتا نظر آئے کہ وہ جان و مال کے نقصان کو اور پورے لشکر کی شہادت کو اس کے مقابلے میں ہیچ سمجھے اور ظاہری نقصان کے باوجود دین کے نفع کے لیے اپنا سب کچھ جنگ میں جھونک دے، جیسا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کیا اور جیسا ماضی قریب میں شہدائے لال مسجد نے کیا۔

دشمن کا تجزیہ

دشمن کے تجزیے میں دشمن کی طاقت، صلاحیت اور صف بندی کو دیکھنا ہوتا ہے۔ نیز دشمن کے آلات جنگ اور طریقہء جنگ کو بھی سمجھنا ہوتا ہے۔ یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ دشمن جنگ کو کن

میدانوں میں لڑ رہا ہے اور کس حکمت عملی کو اختیار کیے ہوئے ہے۔ اگر جنگ کا آغاز خود کرنا ہو تو دشمن کے متوقع ردعمل کی شدت کا اندازہ بھی لگانا ہوتا ہے اور اس بات کا اندازہ بھی لگانا ہوتا ہے کہ یہ ردِ عمل کس میدان میں اور کس انداز میں آئے گا۔ عسکری قائدین کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اقدام اور دفاع کرتے ہوئے ان سب امور پر اچھی طرح غور کرے، اسی کا نام جنگ ہے۔

ذاتی تجزیہ

ذاتی تجزیہ سے مراد اپنی قوت کا تجزیہ اور اپنی صلاحیت کا اندازہ لگانا ہے۔ بالخصوص اقدام کرتے ہوئے اپنی صفوں پر، اپنی کمزوریوں اور خوبیوں پر، اپنی تیاری اور اقدام و دفاع کی صلاحیت پر نگاہ ڈالنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ تجزیہ بھی کرنا ہوتا ہے کہ اقدام کرنے کی صورت میں نفع کتنا ہو گا اور نقصان کتنا؟ گوریلا جنگ شروع کرنے کی صورت میں تشکیل عسکری قوت کی طرف بھی توجہ دینی ہوتی ہے کیونکہ گوریلا جنگ کے لیے عموماً پہلے سے عسکری قوت موجود نہیں ہوتی بلکہ تنازعہ سامنے آنے کے بعد عسکری قوت تشکیل دی جاتی ہے۔ بعض اوقات مناسب عسکری قوت تشکیل پانے سے قبل قدم اٹھالینا بھاری نقصان کا باعث بن جاتا ہے جبکہ گوریلا جنگوں میں بعض اوقات تشکیلِ عسکری قوت اور تطبیقِ عسکری قوت سب مراحل ساتھ ساتھ چل رہے ہوتے ہیں۔

میدانِ جنگ کا تعین

اگر تطبیق قوت کے پہلے مرحلے میں حالات و فریقین کے تجزیے کے بعد جنگ کا فیصلہ کر لیا جائے تو اگلا مرحلہ میدانِ جنگ کے تعین کا ہوتا ہے۔ ہر جنگ کے میدان تاریخی طور پر ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے ان میدان ہائے جنگ کو اصولی میدان جنگ بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ میدان عموماً دعوتی، سیاسی اور عسکری ہوتے ہیں البتہ دور حاضر کی جنگوں میں معیشت بھی ایک آلہء جنگ کے طور پر استعمال ہو رہی ہے۔ لہٰذا معاشی میدان بھی ایک باقاعدہ میدان جنگ کی صورت اختیار کر چکا

ہے۔ان چار میدانوں میں سے دعوتی، سیاسی اور معاشی میدانوں کو فنِ حرب کی اصطلاح میں بالواسطہ میدان جنگ بھی کہا جاتا ہے اور عسکری میدان کو بلا واسطہ میدان جنگ کہا جا سکتا ہے۔اسی لئے دعوتی، سیاسی اور معاشی میدانوں میں اترنے اور مقابلہ کرنے کو بالواسطہ تطبیق قوت کہا جاتا ہے اور عسکری میدان میں مقابلے کو بلاواسطہ تطبیق قوت کہا جاتا ہے۔ تشکیل قوت کے مرحلے پر ان تینوں یا چاروں میدانوں میں جنگ لڑنے کے لیے عسکری قوت کے ایسے شعبے تشکیل دیئے جاتے ہیں جو اپنے اپنے متعلقہ میدان میں اس میدان کے تقاضوں کے مطابق جنگ لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ان ہی شعبوں کو عسکری قوت کے آلات جنگ بھی کہا جاتا ہے۔ تطبیق قوت کے مرحلے میں میدان جنگ کے تعین کے ساتھ ان آلاتِ جنگ کو حرکت دی جاتی ہے اور طے شدہ حکمت عملی کے مطابق ان آلات کو استعمال کیا جاتا ہے۔

عام طور پر جنگ کرنے والے فریق کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ ان ہر چار میدانوں میں دشمن کو نقصان پہنچائیں یا کم سے کم اس کا مقابلہ ضرور کریں۔یہ بھی ممکن ہے کہ ہر میدان کو ایک دم استعمال نہ کیا جائے بلکہ ایک خاص ترتیب میں استعمال کیا جائے۔ جیسے رعب قائم کرنے کے طریقے میں زیادہ تر سیاسی اور معاشی میدانوں سے مدد لی جاتی ہے۔بعد میں ضرورت پڑے تو محدود پیمانے پر عسکری قوت کا استعمال کیا جاتا ہے۔اسی طرح گوریلا جنگ ایک کمزور کی جنگ ہے جو آمنے سامنے آکر نہیں لڑی جاسکتی اس لئے اپنے سے بڑے دشمن سے مقابلے کے لئے دعوتی، سیاسی اور عسکری تمام ہی شعبوں کا متوازن استعمال کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اہداف کا تعین

اہداف کا تعین تطبیقِ قوت کے اہم مضامین میں سے ہے۔ہر شعبے کے اپنے اپنے اہداف ہوتے ہیں جن کو سامنے رکھ کر ہی اللہ کی توفیق سے مقصد جنگ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ کسی عسکری قوت کی تطبیق کے مندرجہ ذیل اقسام کے اہداف ہو سکتے ہیں:

- اقتصادی اہداف
- نفسیاتی اہداف

- سیاسی اہداف
- عسکری اہداف
- دعوتی اہداف

مقاصد اور اہداف کا شجرہ یا نقشہ

صورتحال کے تجزیے اور میدان جنگ کے تعین کے بعد تطبیق قوت کا تیسرا اہم مضمون مقاصد عظمیٰ سے لے کر اہداف تک کے مقاصد کا ایک شجرہ قائم کرنا ہے۔ مقاصد اور اہداف کے شجرے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مقاصد عظمیٰ، مقاصد جنگ، مقاصد تطبیق قوت، شعبہ جات کے اہداف اور میدان جنگ کے درمیان ایک ایسا ربط قائم ہو جائے کہ ہر مقصد دوسرے مقصد سے مربوط ہو اور سب کام بالآخر مقاصد عظمیٰ کی طرف لے کر جاتے ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ جنگ کے ہنگامے میں اصل مقصد نظروں سے اوجھل ہو جائے اور جنگ کسی غلط سمت پر چل پڑے۔

مقاصدِ عظمیٰ کو حاصل کرنے کے لئے **مقاصدِ جنگ** کا تعین کیا جاتا ہے۔ تاریخی طور پر ہر فریق کا مقصد جنگ اپنے دشمن کا ارادۂ جنگ ختم کر کے اسے اپنے مقاصد عظمیٰ کو قبول کرنے پر مجبور کرنا ہوتا ہے۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دشمن کا ارادۂ جنگ کیسے ختم کیا جائے؟ اس کام کے لئے ہر میدان میں علیحدہ علیحدہ مقاصد طے کئے جاتے ہیں۔ ہر میدان کی جنگ کے لیے طے کردہ مقاصد مل کر مجموعی طور پر مقصد عظمیٰ کی تکمیل کرتے ہیں۔ ان مقاصد کو **میدان جنگ کے مقاصد** یا جنگ لڑنے کے لیے تشکیل کردہ شعبوں کی نسبت سے **آلات حرب کے مقاصد** بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے دعوتی میدان میں دشمن کے افکار کارد اور اپنے افکار کا پرچار کرنا ہوتا ہے۔ جب کہ سیاسی میدان میں فریقین کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معاشرے میں اپنے حامیوں میں اضافہ کیا جائے اور مخالفین میں کمی۔ معاشی میدان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دشمن کی معیشت کو تباہ کیا جائے اور اپنی معیشت کو قائم رکھا جائے۔ عسکری میدان کا کام دشمن کے عسکری اور حکومتی نظام کو درہم برہم کرنا اور اپنے نظام کو قائم کرنا ہوتا ہے۔

تطبیق قوت کے عملی مقاصد سے مراد ان مقاصد کا حصول ہے جو مقصدِ جنگ کو حاصل کرنے کے لیے ہر میدان یاہر شعبے یادوسرے لفظوں میں ہر آلہ جنگ کے لیے الگ الگ طے کیے گئے ہوں۔ جیسے دعوت کے میدان میں دشمن کے ارادۂ جنگ کو ختم کرنے کا طریقہ کار یہ ہے کہ معاشرے کو اپنے افکار کا پرچار اور دشمن کے افکار کارد کرکے زیادہ سے زیادہ جہاد میں شامل کیا جائے یااسے جہاد کی مدد کرنے والا بنایا جائے یااسے جہاد کی مخالفت سے غیر جانب دار کردیا جائے۔اسی طرح سیاسی میدان میں اپنے حامیوں میں اضافہ کرنے اور مخالفین میں کمی کرنے کے لئے معاشرے کو متحرک کیا جاتاہے اور اسے ایک لائحہ عمل کے تحت اکٹھا کرکے اسے فعال بنایا جاتاہے۔ معاشی میدان میں دشمن پر پابندیاں لگا کر اسے کمزور کیا جاتاہے اور اپنی معیشت کو اس سے محفوظ رکھا جاتاہے۔ عسکری میدان میں نظام کو درہم برہم کرنے کے لئے اقدامی طریقہ اپنایا جاتاہے یااپنے نظام کو بچانے کے لئے دفاعی طریقہ اپنایا جاتاہے۔

الغرض مقاصد کے شجرے کا حاصل کلام یہ ہے کہ جنگ چاہے اقدامی ہو یادفاعی تمام مقاصد کے ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہونے سے ہی جنگ صحیح سمت میں چلتی ہے۔دوسری طرف یہ شجرہ میدان جنگ کی صف بندی میں اہم کردار ادا کرتاہے۔تیسرا یہ کہ یہ شجرہ عسکری قوت کو جنگ کی ہر سطح پر اصل مقاصد، قابلِ قبول مقاصد اور ناقابلِ قبول مقاصد کو سمجھنے میں مدد دیتاہے۔چوتھا یہ کہ یہ شجرہ جنگ میں فتح اور شکست کے تعین کا ایک معیار بھی فراہم کرتاہے۔ذیل میں ہم شجرۂ مقاصد کو ایک نقشے کی صورت میں پیش کررہے ہیں تاکہ سمجھنے میں مزید آسانی ہوسکے:
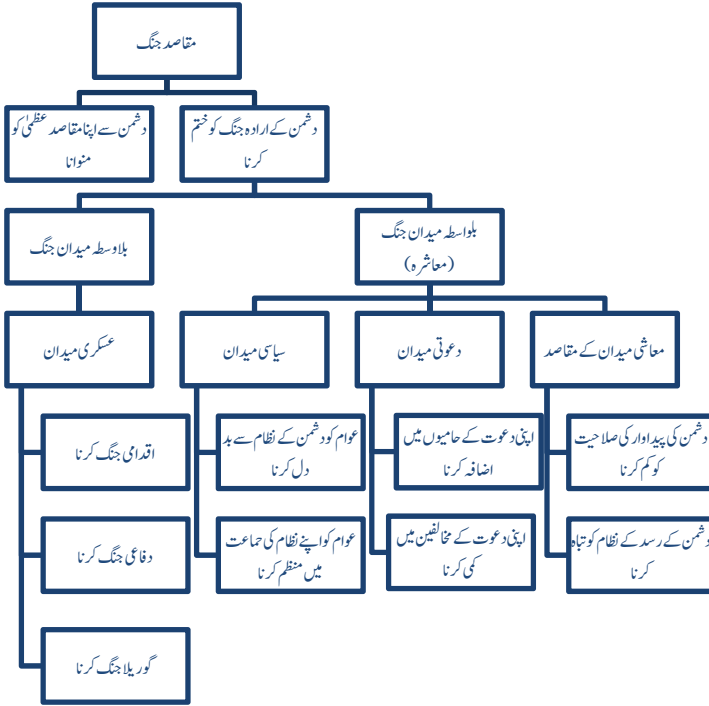
طریقہء جنگ کا تعین

جنگ کا طریقہ طے کرنے کا فیصلہ دشمن کے طریقہء جنگ اور اپنی استعداد کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔اگر دشمن کی طرف سے جنگ کا آغاز ہوا ہے تو وہ یقیناً اقدامی ہی ہوگا۔اس مرحلے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ دشمن تباہی کی جنگ اختیار کررہا ہے یا چالبازی کی یا قیادت و نظم (کمانڈ اینڈ کنڑول) کی۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اپنی عسکری قوت کس حالت میں ہے؟ یہ جنگ لڑنے کی حالت میں ہے یا نہیں اور اس کی صلاحیتِ ضرب، حرکت اور دفاع کی کیا صورتِ حال ہے؟ اس وقت دفاعی حکمت عملی اختیار کرنا بہتر ہے یا اقدامی؟ اور اقدام یا دفاع کا کون سا طریقہ اختیار کرنا زیادہ مناسب ہوگا؟ جنگ کرنے کے طریقہء کار مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں:

- دفاعی طریقہ ءجنگ
- اقدامی طریقہ ءجنگ
- گوریلا طریقہ ءجنگ

دفاعی طریقہ ءجنگ

دفاعی جنگ سے مراد ایسی جنگ ہے جس میں دشمن سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ دشمن اپنے حربوں میں کامیاب نہ ہو سکے اور دشمن کا وار خالی جائے۔ دفاعی جنگ میں رکاوٹ کی جنگ یا قلعہ بندی کی جنگ کی حکمت عملی اختیار کی جاسکتی ہے۔ اپنے فوری دفاع کے لیے طبعی رکاوٹیں جو جغرافیہ کی مدد سے حاصل ہوں یا معاشرتی رکاوٹیں جو قبائلی معاشرت وغیرہ سے دستیاب ہوں کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اگر دشمن مستقل اقدام پر مصر ہو تو دفاعی حکمت عملی ایک حد تک ہی اور کچھ عرصے تک ہی کام آسکتی ہے، اس کے بعد اقدام کا آغاز کرنا ہی پڑتا ہے کیونکہ پھر دفاع اقدام ہی میں پوشیدہ ہوتا ہے۔

اقدامی طریقہ ءجنگ

اقدامی جنگ سے مراد ایسی جنگ ہے جس میں دشمن پر بڑھ کر حملہ کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں تباہی، چالبازی یا قیادت و نظم کی جنگ کا طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ جنگ خود کھولنے کی صورت میں ہمیشہ اقدام سے ہی آغاز کرنا ہوتا ہے البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ بعض میدانوں میں اقدام کرتے ہوئے بعض میں دفاعی صف بندی اختیار کی جائے۔ اقدامی طریقہ ءجنگ میں تطبیقِ قوت کے طریقے بنیادی طور پر مندرجہ ذیل ہیں:

- تباہی کی جنگ
- چالبازی کی جنگ
- قیادت و نظم کی جنگ

تباہی کی جنگ

اس جنگ میں دشمن کی کمیّت کو تباہ کر دیا جاتا ہے تاکہ اس کے ارادۂ قتال کو ختم کر دیا جائے۔ یہ طریقہء جنگ پہلی عالمی جنگ میں اپنایا گیا جس میں جدید ٹیکنالوجی تو استعمال کی گئی مگر فوجوں کو اس کے استعمال کی مناسب تربیت نہ دی گئی جس کا نتیجہ قتلِ عام ہوا اور ہر فوج نے دوسری فوج کو نہایت بھاری جانی و مالی نقصان پہنچایا۔ یہ ٹھہری ہوئی جنگ ہے یعنی اس میں لڑنے والے اطراف اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے دشمن کو مارتے ہیں۔ اس جنگ کو وہ فریق اپناتا ہے جس کے پاس اتنے مادی و انسانی وسائل ہوں جو اسے مقاصد جنگ حاصل کرنے کے لیے وقت کی بندش سے آزاد کر دیں اور اسے اتنی قوت بخشیں کہ وہ فریقِ مخالف کی کمیّت تباہ کرنے صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ اس میں لڑاکا طاقت اس ہتھوڑے کی طرح ہوتی ہے جو نیچے آنے والے پتھر کو کچل دیتا ہے۔ تباہی کی جنگ کو بھی مزید تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

- مکمل تباہی
- تباہی
- برابری

ذیل میں ان طریقہ ہائے جنگ کی مختصر وضاحت کی گئی ہے۔

مکمل تباہی

مکمل تباہی سے مراد دشمن کی لڑنے کی صلاحیت مکمل طور پہ سلب کرنا ہے۔ اس طریقے میں دشمن پر حملہ اتنی قوت اور شدت کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ دشمن نہ ہی کوئی اقدام کر پاتا ہے بلکہ اپنا دفاع بھی نہیں کر پاتا اور اپنی تباہی و بربادی کے سبب شکست کھا جاتا ہے۔

تباہی

تباہی سے مراد دشمن پر اتنی قوت سے حملہ کرنا ہے کہ اس کے 80 فیصد مادی وسائل عسکری اعتبار سے ناکارہ ہو جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے 50 فیصد انسانی وسائل کی بھی عسکری صلاحیت ختم ہو جائے۔ اس طریقہء جنگ کی شدت مکمل تباہی کی نسبت کچھ کم ہوتی ہے۔

برابری

برابری کی جنگ سے مراد دشمن کی طاقت کو اتنا کم کرنا ہے کہ وہ ہماری طاقت کے مقابلے میں کچھ کرنے کے قابل نہ رہے چاہے ویسے اس کے پاس کچھ طاقت پھر بھی باقی ہو۔اصولاً اس میں دشمن کی طاقت کو اپنی طاقت کے برابر نہیں بلکہ اپنی طاقت سے کم سطح پر لانا ہوتا ہے۔

چالبازی کی جنگ

اس طریقہء جنگ میں اصل توجہ اس بات پر ہوتی ہے کہ ایک خاص مدت میں مقاصد جنگ ہو جائیں، بجائے اس کے کہ توجہ جنگ کے طریقے پر دی جائے۔ بالفاظِ دیگر کسی بھی چال اور طریقے سے اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔یہ طریقہء جنگ دوسری جنگِ عظیم میں استعمال کیا گیا جس میں فوجوں کو جدید ٹیکنالوجی کے مناسب استعمال کی تعلیم دی گئی تھی۔اس جنگ میں بہت ہلچل تھی، یعنی متحارب افواج تیز حرکت کرتی تھیں، ایک دوسرے کے خلاف مستقل چالیں چلتی تھیں اور غیر متوقع اقدامات اور اچانک وار جیسے حربوں کے ذریعے کم وقت میں نتائج حاصل کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔اس طریقہء جنگ کو وہ فریق استعمال کرتا ہے جسے وسائل میں برتری حاصل ہو مگر وہ مقاصد حاصل کرنے کے لیے مدت کا تعین کرتا ہو۔اس طریقہء جنگ میں لڑاکا قوت کی قوتِ ضرب کو ایک کلہاڑی کی طرح استعمال کیا جاتا ہے جو اپنے دشمن کو چیر ڈالتی ہے چاہے اس سے دشمن کی کمیّت مکمل تباہ نہ ہو بلکہ اس کی صفوں میں محض ایک خلاء سا پیدا ہو۔چالبازی کی جنگ کو مندرجہ ذیل پانچ قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- رعب
- پیش بندی یا پہل
- لڑکھڑانا
- محاصرہ یا دم گھونٹنا
- درہم برہم کرنا

ذیل میں ان طریقہ ہائے جنگ کی مختصر وضاحت کی گئی ہے۔

رعب

رعب کے طریقہء جنگ سے مراد ایسے عسکری اقدامات اٹھانا ہے جو دشمن کو جنگ سے پہلے کی امن والی حالت سے باہر نہ نکلنے دے۔ یعنی کسی باقاعدہ جنگ میں اترنے سے قبل ہی دشمن کا ارادۂ جنگ اس لیے ختم ہو جائے کہ وہ جنگ کرنے کی صورت میں اپنی شکست کو یقینی سمجھ بیٹھے یا ناقابل برداشت نقصان اٹھانے کے خوف میں مبتلا ہو جائے۔

پہل یا پیش بندی

پیش بندی سے مراد ایسے عسکری اقدامات اٹھانا ہے جو جنگ شروع ہونے سے پہلے دشمن کو حملہ کرنے سے روک دے۔ یعنی اپنی عسکری قوت کو اتنی تیزی اور قوت کے ساتھ میدان جنگ میں لے آیا جائے یا دشمن پر اتنا اچانک وار کر دیا جائے کہ اسے سنبھلنے اور اپنا دفاع کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

لڑکھڑانا

جنگ چھڑ جانے کے بعد ایسے عسکری اقدامات اٹھانا جو دشمن کے حملے کی تیزی کو کم کر دے یا دشمن کی آزادئ حرکت کو ختم کر دے اور اس کا توازن خراب کر دے۔

محاصرہ یا دم گھونٹنا

اس میں درجہ بدرجہ اپنی عسکری کمیت کو بڑھایا اور دشمن کی عسکری کمیت کو کم کیا جاتا ہے اور دشمن کی کام کرنے کی صلاحیت کو کم اور اپنے کام کرنے کی صلاحیت کو بڑھایا جاتا ہے۔ اسی طرح دشمن کے فائدہ اٹھانے کے موقعوں کو کم کرنا اور اپنے موقعوں کو پیدا کرنا۔

قیادت و نظم کی جنگ (کمانڈ اینڈ کنٹرول)

قیادت و نظم کی جنگ بنیادی طور پہ چالبازی کے طریقہء جنگ کی ایک خاص قسم ہے جو کہ اصولی سطح پر لڑی جاتی ہے۔ یعنی یہ کہ دشمن کے قیادت و نظم کی سطح پر ایسی ضرب لگائی جائے کہ وہ اپنے فیصلوں کو تبدیل کرنے یا غلط اقدام اٹھانے پر مجبور ہو جائے۔

گوریلا طریقہء جنگ

مجاہدین کے لیے طریقہء جنگ میں سے سب سے بہترین انتخاب اکثر حالات میں گوریلا طرزِ جنگ ہی ہوتا ہے۔ گوریلا طرزِ جنگ کو تفصیلاً ایک علیحدہ تحریر "گوریلا جنگ فن حرب کی روشنی میں" میں ان شاءاللہ بیان کیا جائے گا۔ البتہ یہاں اتنا تعارف کافی ہے کہ گوریلا طرز جنگ ایک ہی وقت میں اقدامی اور دفاعی طرز جنگ کا مجموعہ ہے۔ گوریلا طرزِ جنگ میں ایک طرف تو اپنی اصولی (سٹریٹک) سطح کی قیادت و نظم کا مکمل دفاع کیا جاتا ہے اور اس کے لیے رکاوٹوں یا قلعہ بندی کی جنگ لڑی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ معاشرے میں موجود گوریلا عسکری قوت بھی چھپاؤ اور تلبیس کے اصول اختیار کرتے ہوئے اپنے دفاع کا بندوبست کرتی ہے۔ اس دفاعی انتظام کے ساتھ ساتھ دشمن کی تمام صف بندیوں پر اقدامی حملے بھی کیے جاتے ہیں۔ گوریلا طرز جنگ میں دفاع بھی مطلق دفاع نہیں ہوتا بلکہ ایک طرف سے اپنا دفاعی حصار قائم کرکے دوسری طرف سے دشمن کی صفوں پر اقدام بھی کیا جاتا ہے تاکہ دشمن کے حملے کے زور کو توڑا جاسکے۔

میدانِ جنگ کی صف بندی

میدان جنگ کی صف بندی وہ عملی شکل ہے جس میں ایک عسکری قوت کے اجتماعی کام کو منظم کیا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر، نظری شجرۂ مقاصد کو عملی میدان میں اتارنے کا نام صف بندی ہے۔ شجرۂ مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے عسکری قوت کو ایک خاص جغرافیائی علاقے میں منظم کیا جاتا ہے۔ اس جغرافیائی علاقے کو بھی مختلف حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور خود عسکری قوت کے اجتماعی عمل کو بھی مختلف سطحوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ عسکری قوت نے جو کام کرنا ہوتا ہے اس کی تین سطحیں ہوتی ہیں یعنی اصولی، عملیاتی اور تنفیذی۔

کسی بھی اجتماعی کام کو کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کام کو کرنے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ پھر اس کام کو کرنے کی منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کام کو کرنے کے لئے افرادی قوت اور وسائل فراہم کئے جاتے ہیں۔ پھر اس افرادی قوت کی تربیت کی جاتی ہے اور اسے میدان

میں اتارا جاتا ہے۔ یہ کام، اصولی یا سٹریٹجک سطح کا کام ہے۔ اس کام کو سرانجام دینے والے افراد بالعموم مرکزی قیادت یا شوریٰ کی سطح کے لوگ ہوتے ہیں۔ اس سطح کے بعد دوسری سطح کا کام شروع ہوتا ہے۔ افرادی قوت کو میدانِ جنگ تک پہنچانا اور ان کو تمام ضروریات مسلسل فراہم کرنے کا کام درمیانی سطح کا کام یا عسکری اصطلاح میں عملیاتی یا آپریشنل سطح کا کام کہلاتا ہے۔ اس کام کو سرانجام دینے والی قیادت آپریشنل قیادت کہلاتی ہے۔ میدان جنگ میں تیسری سطح کا کام وہ ہوتا ہے کہ جب دونوں فریق ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف عملاً کارروائی شروع کر دیتے ہیں۔ اس کام کو سرانجام دینے کے لئے علیحدہ قیادت، تربیت اور مہارت چاہیے۔ اس سطح کے کام کو تنفیذی یا ٹیکٹیکل سطح کا کام کہا جاتا ہے۔ نقشے پر ان تینوں سطحوں کو تین سادی لائینوں سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم ان تین سطحوں کی ایک شکل پیش کر رہے ہیں:

تطبیقِ قوت
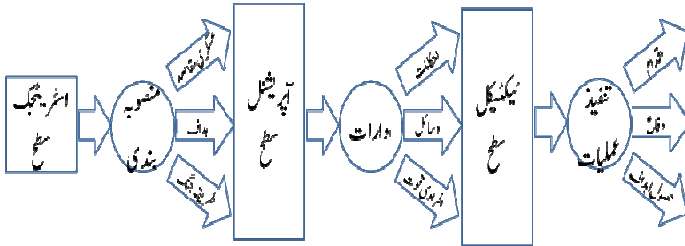
عسکری قوت کا حرکت میں آنا (جنگی مقاصد و اہداف کا تعین اور عسکری قوت کی ادارات)

عسکری قوت کے حرکت میں آنے کے مرحلے پر عسکری قوت کی عملیاتی سطح پر عمل شروع ہوتا ہے۔ اصولی سطح پر متعین کیے جانے والے عسکری مقاصد اور اہداف کی روشنی میں اب عملیاتی سطح پر یہ طے کیا جاتا ہے کہ یہ مقاصد اور اہداف کس طرح حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اس مرحلے کا اہم ترین کام یہ ہے کہ میدانِ عمل میں ایسے اہداف متعین کیے جائیں اور ایسے طریقے اختیار کیے جائیں جو مقاصد عظمیٰ کے حصول کے لیے متعین شدہ بنیادی حکمت عملی سے بالکل ہم آہنگ ہوں اور کاموں کے

دوران مقاصد اور اہداف کا شجرہ ہر وقت نگاہوں کے سامنے رہے۔ اگر اس امر کا اہتمام نہ کیا جائے تو کئی مواقع پر عملیاتی اور تنفیذی سطح پر جنگ اور عملیات کے جوش میں ایسے اہداف کو بھی نشانہ بنالیا جاتا ہے جو دشمن کو ضرب لگانے کے اعتبار سے بظاہر تو ایک بڑی کامیابی محسوس ہوتی ہے لیکن مقاصد عظمیٰ کی طرف لے جانے کی بجائے ان سے یکسر متصادم سمت میں لے جاتی ہے۔ یوں فائدے کی بجائے الٹا نقصان اٹھانا پڑ سکتا ہے۔ تنفیذی سطح پر عسکری قوت کو اسی سطح کے اعتبار سے آلاتِ میدان سے لیس کر کے میدان جنگ میں اتارا جاتا ہے۔

جنگی مقاصد کے تعین اور صف بندی کے ساتھ ساتھ جنگی اہداف کا بھی تعین کیا جاتا ہے۔ جنگی اہداف کا تعین عسکری اغراض کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ عسکری اغراض سے مراد وہ مخصوص فائدہ ہے جو ہم کسی جنگ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مرحلہ ثانی بھی اپنے آغاز سے لے کر جنگ کے اختتام تک جاری رہتا ہے۔ عملیاتی سطح پر کی جانے والی تمام سرگرمیاں اسی مرحلہ سے متعلق ہیں۔ عسکری اغراض کا درجہ مقصد عظمیٰ اور مقصد جنگ سے کم تر ہوتا ہے۔ جنگ کی ادارات (مینجمنٹ) کا سارا کام عملیاتی سطح پر ہی کیا جاتا ہے۔ میدان جنگ میں افرادی قوت اور وسائل کی فراہمی اور ان کی ادارات کا کام بھی اسی سطح پر کیا جاتا ہے۔ یہ مرحلہ افرادی قوت کے میدان جنگ میں اترنے تک جاری رہتا ہے۔

دشمن کا سامنا (محاذ کا قیام)

اس مرحلے پر عسکری قوت عملاً کارروائیاں کرتی ہے۔ یہ مرحلہ تنفیذی سطح پر وقوع پذیر ہوتا ہے۔ جنگی اہداف کو عملاً اسی سطح پر حاصل کیا جاتا ہے۔ بالعموم جنگ کا سب سے نظر آنے والا حصہ یہی ہوتا ہے اوا اسی لیے سرسری نگاہ میں دیکھنے سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ جنگ در حقیقت اسی سطح پر پیش آنے والے اعمال کا نام ہے حالانکہ اس سطح پر جو کچھ پیش آتا ہے وہ اس سے پچھلی اصولی و عملیاتی سطحوں پر پسِ پردہ جاری کاوشوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ہاں یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ اصولی و عملیاتی سطح کی منصوبہ بندی کی کامیابی اس چیز سے جانچی جاتی ہے کہ کیا تنفیذی سطح پر ان اہداف کو عملاً بھی حاصل کیا جا سکا جو

نظری طور پر طے کیے گئے تھے؟ لڑنے والی فوج کا اپنی امن والی حالت سے نکل کر دشمن کے مقابلے کے لیے میدان جنگ میں تعینات ہونا اور اس درجہ کی تیاری کے ساتھ اترنا کہ دشمن کے حملے کو پسپا کیا جاسکے یا حکم ملنے پر دشمن پر فوری اقدام کیا جاسکے...... یہ سب کام اسی مرحلے میں تنفیذی سطح پر کیے جاتے ہیں۔ پس دشمن کا براہِ راست سامنا اسی مرحلے پہ کیا جاتا ہے اور اسی مرحلے پر جنگ کے مادی، نفسیاتی اور روحانی پہلو اپنا پورا اثر دکھاتے ہیں۔

میدان جنگ

(فریق اول)
ٹیکٹیکل
سطح
دفاع
اقدام
اقدام
مشترکہ
اہداف
اقدام
اقدام
دفاع
(فریق ثانی)
ٹیکٹیکل
سطح

بابِ خامس(۵)
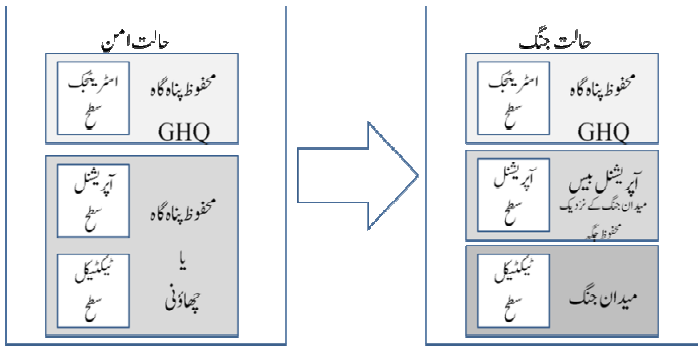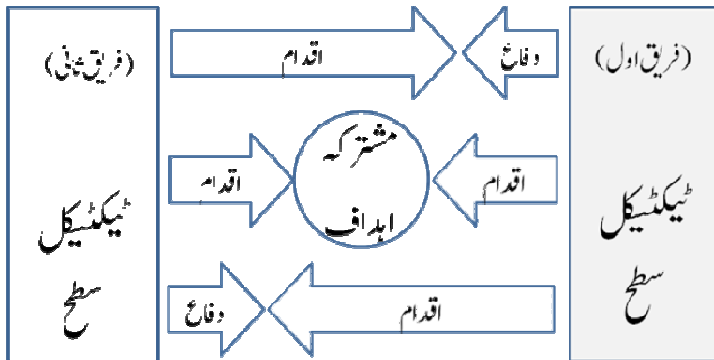
تنفیذِ عملیات

تنظیمِ حرب کا تیسرا اور آخری مضمون تنفیذِ عملیات ہے۔ یہ مضمون بنیادی طور پہ تنفیذی (ٹیکٹیکل) سطح پر کیے جانے والے عسکری عمل کو تفصیل سے بیان کرتا ہے اور کارروائیاں کرنے کے عمل کی تشریح کرتا ہے۔ وقت کی قلت کے سبب تاحال اس موضوع کا تفصیل سے احاطہ کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ کوشش ہو گی کہ کتاب کے آئندہ نسخوں میں تطبیقِ قوت کے اس مرحلے پر بھی قدرے تفصیل سے بات کر لی جائے۔

نیز یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ تنفیذِ عملیات کے میدان میں مجاہدین الحمدللہ بہت تجربہ رکھتے ہیں اور اس میدان کے شہسوار ہیں۔ اس لیے اگر مجاہد ساتھی سابقہ بحثوں پر گرفت حاصل کر لیں اور ان کو عملی دنیا میں روبہ عمل لے آئیں تو ان شاء اللہ تنفیذِ عملیات کے مرحلے پر کوئی خاص کمزوری نہیں نظر آئے گی؛ اور کچھ کمزوری باقی بھی رہی تو اس کے اثرات زیادہ مضر نہیں ہوں گے، واللہ اعلم بالصواب۔ یہاں نصابِ حرب کے پہلے دو حصوں یعنی 'تفہیمِ حرب' اور 'تنظیمِ حرب' کا اختتام ہوتا ہے۔ ان شاء اللہ اگلے دو حصوں میں ہم "تنفیذِ حرب' اور ''گوریلا جنگ'' کا مفصل جائزہ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر سی کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور اسے مجاہدین کے لیے باعثِ نفع، کفار کے لیے باعثِ اذیت اور اس کتاب کی تیاری میں شریک ہونے والے ہر فرد کے لیے باعثِ مغفرت بنادے، آمین! وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔